اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جمادی الثانی ۱۴۱۱ھ
جنوری ۱۹۹۱ء

جلد ۲۶
شمارہ ۴

بانی
حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدیر معاون: عبدالقیوم حقانی

مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم: شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم ۲۴۰ / ۲۴۱ / ۴۳۵ کوڈ نمبر ۰۵۲۳۱۷

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۵۰/- روپے فی پرچہ ۵/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۸/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۲/- پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "الحق" دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

نقشِ آغاز

- شریعت بل، ایک اور صبر آزما مرحلہ
- وفیات
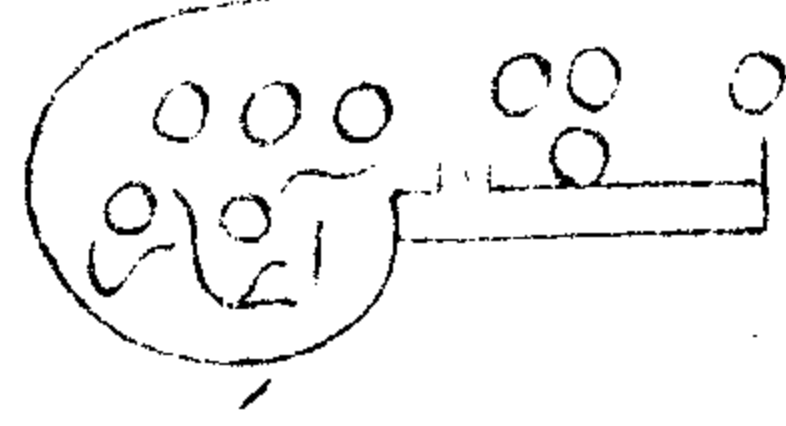
شریعت بل، مسلسل پونے چھ سال سے پوری قوم، سیاستدانوں، قومی راہنماؤں اور ارباب حکومت کے گلے کا ہار بن چکا ہے۔ محرکینِ شریعت بل اور علماءِ حق کی طرف سے اس سلسلہ میں جو مساعی ہوئیں اور انہیں جن جن صبر آزما مراحل سے گذرنا پڑا اور جس طرح انہوں نے بلند حوصلگی اور عزیمت و استقامت کا مظاہرہ کیا مستقبل کا مؤرخ اسے اسلام کی تاریخ کا ایک سنہری باب قرار دے گا مگر اب کی تازہ ترین صورتحال مزید پیچیدہ، سنگین اور ہر لحاظ سے حزم و احتیاط، تدبر و بصیرت، بڑی دوراندیشی و فراست، عظیم ایثار و قربانی اور حد درجہ حکیمانہ حکمتِ عملی کی متقاضی ہے۔

وزیرِ اعظم سمیت پارلیمانی پارٹیوں کا شریعت بل کے مسودہ پر اتفاق رائے اور وزیرِ اعظم کا اسے سینٹ اور قومی اسمبلی سے منظور کرانے کا عزم ہر لحاظ سے مستحسن، لائقِ تحسین اور قابلِ صد تبریک ہے۔ خدا کرے کہ یہ بات محض اعلانات اور خوش آئند وعدوں تک محدود نہ رہے حکومت سمیت ارکانِ پارلیمنٹ کا بھی یہ فرض بنتا ہے کہ وہ مزید کسی بھی قسم کی تاخیر کیے بغیر شریعت بل کو آئینی تحفظ دیکر عملاً نافذ کردیں مزید قیل وقال اور تعویق و جدال سے اہلِ اسلام کی مزید دل شکنی، نظریۂ پاکستان سے انحراف، باہمی تفریق و انتشار، ملکی سالمیت کے نقصان اور سوائے ضیاع وقت و سرمایہ کے اور کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔

بدقسمتی سے اس قدر حساس اور نازک ترین مرحلے میں بھی بعض ازلی بدنصیبوں جن کا دل روشنئ ایمان سے محروم، جن کا باطن اسلام کی خاطر مر مٹنے کے جذبات سے عاری اور جو آنکھوں کے نہیں دل کے اندھے ہیں اور جن کے دلوں پر شریعت بل صاعقہ بن کر گرا) کی سازشوں کا چکر پھر سے تیز تر اور گہرا ہوتا جارہا ہے، حالانکہ یہ مسئلہ صرف مولانا سمیع الحق اور ان کے رُفقاء کا نہیں بلکہ حضورؐ کے ہر اُمّتی اور دُنیائے انسانیت میں رہنے والے ہر مسلمان کا ہے۔ اہلِ اسلام کا فرض ہے کہ وہ اسلام دشمن عناصر کے زہریلے پروپیگنڈے، مذموم مساعی، غلیظ ہتھکنڈوں اور دجل و تلبیس کے سارے نشانات کو ایک ایک کرکے مٹا دیں۔

ارباب اقتدار پر بھی یہ امر واضح ہونا چاہیئے کہ پاکستان کے مسلمانوں کا اصل لیلائے مقصود صرف اور صرف نفاذِ شریعت ہی ہے وہ ملک میں امریکی اور سامراجی اسلام، منافقانہ نظام، میکیاولی سیاست اور کسی بھی قسم کے دجالی کفر کو برداشت نہیں کریں گے ــــ اہلِ اسلام شریعت کے شجرۂ طوبیٰ کے سایۂ عاطفت اور قصرِ شریعت کی پناہ میں رہنے کا فیصلہ کرچکے ہیں اور پھر شریعت بل تو ایک کسوٹی بن چکا ہے جن طاقتوں، جن قوتوں اور جن لوگوں نے بھی اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی اُنہیں قدرت کی طرف سے نیست و نابود اور تاراج و مفلوج کر دیا گیا ہے۔ خدا کرے کہ نئے حکمران بھی اپنے پیشروؤں کے انجام کو نگاہ میں رکھیں۔ اسی میں ملکی سالمیت و استحکام سمیت ان کے اپنے مستقبل کا تحفظ اور کامیابی کا راز بھی مضمر ہے۔

وفیات

پچھلے دو ماہ سے علم وعمل کی اسلامی دنیا عموماً اور مسلکِ دیوبند کے عالم رشد وہدایت کو خصوصاً سخت صدموں سے دوچار ہونا پڑا، یعنی اربابِ علم وتدریس اور جید علماءِ فاضل کے سانحاتِ ارتحال پیش آتے رہے جن کی رحلت ایک فرد، ایک خاندان یا ایک جماعت کا سانحہ نہیں بلکہ پوری قوم ان کے فیضانِ علم اور خدمتِ دین سے محروم ہو گئی ہے۔

❋ شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا عبدالقدیر صاحبؒ، دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی کے شیخ الحدیث اور اس سے قبل پاک وہند کے مختلف مدارس میں مدرس اور شیخ الحدیثؒ کے مقام پر فائز رہے۔ مرحوم علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تلمیذ اور سلف صالحین کی یادگار تھے، اُن کی ساری زندگی فقر وزہد، علم وعمل اور قرآن وسنت کی تدریس سے آراستہ تھی۔

❋ حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب بھی دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی کے صدر مفتی تھے۔ تقریباً ۳۰ سال سے دارالافتاء میں اہم خدمات انجام دے رہے تھے۔ دونوں حضرات عجیب علمی وروحانی شخصیات اور دینِ اسلام بالخصوص علومِ نبوت کے بے لوث خادم تھے۔

❋ حضرت العلامہ مولانا نجم الحسن تھانویؒ بزمِ اشرف کے ایک روشن چراغ، علم وفضل اور زہد وتقویٰ کی مجسم تصویر، دین کے مخلص داعی اور صاحبِ دل خطیب اور بزرگ تھے تصوف وسلوک اور اصلاح وتزکیۂ نفوس کے بلند مقام پر فائز تھے۔

❋ حضرت العلامہ مولانا عبدالغنی صاحبؒ (رحیم یار خان) تمام عمر درسِ قرآن دیتے رہے۔ یہی ان کی زندگی کا مشن اور تمام تر مساعی کا ہدف تھا۔ مرحوم نے "دارالعلوم حمادیہ" قائم کر کے پورے علاقے اور اطراف وجوانب کے تشنگانِ علم کی علمی ودینی پیاس بجھانے کا اہتمام فرمایا۔

یہ تمام حضرات اہلِ علم اور اہلِ کمال تھے جن کا اس دُنیا سے رحلت فرما جانا ملک وملت کیلئے اجتماعی اور ملی صدمہ ہے۔ یہ سب حضرات اپنی اپنی جگہ نہایت وسیع اور عظیم دینی خدمات انجام دے رہے تھے۔ سب کے سب میدانِ درس وتدریس، تالیف وتصنیف، تبلیغ وخطابت اور سپہرِ علم ودانش کے درخشاں ستارے تھے۔ ایسی تیزی سے علم کے قافلوں کا دنیائے فانی سے کوچ کر جانا دُنیا کے حق میں اچھی علامت نہیں۔ قبضِ علماء کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اشراطِ ساعت میں سے قرار دیا ہے۔

ادارہ الحق مرحومین حضرات کے ورثاء، روحانی ابناء اور متعلقہ اداروں وحلقوں کے ساتھ برابر کا غم میں شریک بلکہ خود تعزیت کا مستحق ہے۔ دارالعلوم میں سب حضرات کیلئے ایصالِ ثواب اور دُعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔ فرحمھم اللہ وارضاھم۔

عبدالقیوم حقانی

مولانا عبد القیوم حقانی

نفاذِ شریعت کیلئے فکری انقلاب کی ضرورت اور اہم نکات

شریعت بل کے پھوسے سینٹ، قومی اسمبلی، کیبٹوں، سیاسی پارٹیوں سے مشاورت، مختلف طبقات کے ردِ عمل اور وزیر اعظم کی دلچسپی کے پیشِ نظر بعض پہلو حوصلہ افزا رہے ہیں۔ ذیل کی تحریر نفاذِ شریعت کے عمل کی پیش رفت اور فکری انقلاب کی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر لکھی گئی ہے جو نذرِ قارئین ہے ——— (ادارہ) ———

شریعتِ اسلامیہ کے فائدوں اور اس کے نفاذ کی مثبت مساعی اور ٹھوس اور مخلصانہ کوششوں پر بھرپور توجہ کی ضرورت ہے۔ علماءِ اسلام، ماہرینِ قانون، دینی تنظیمیں اور اسلامی تحریکیں اس سلسلہ میں بہت مفید اور کارآمد کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اگر مثبت اور سنجیدہ طریقے، حکیمانہ انداز، مومنانہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے اس کام کا آغاز کر دیا جائے تو اس مومنانہ ارمان کی تکمیل بہت جلد ہو جائے گی کہ اس ملک میں شریعتِ اسلامیہ مکمل طریقہ پر نافذ ہو اور دُنیا نورِ اسلام سے معمور ہو جائے۔

موجودہ حالات میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ علماءِ اسلام ایک منظم پروگرام کے تحت منصوبہ بندی کے ساتھ اس موضوع پر جدید تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر تفصیل سے لکھیں کہ شریعتِ اسلامیہ ہر جگہ اور ہر زمانہ میں تطبیق کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ موضوع ایک ناقابلِ انکار حقیقت اور مسلم الثبوت عقیدہ ہے جس میں کسی مسلمان کو شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن سامراجی نظامِ تعلیم و تربیت اور مسیحی مشنریوں کی جدوجہد نیز مسلمانوں کی عام شریعت سے ناواقفیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ سورج سے زیادہ واضح اسلامی حقائق پر بھی تفصیلی ابحاث، دلائل اور مبسوط مضامین لکھنے پڑتے ہیں تاکہ سامراجی پروپیگنڈہ کا مکمل و مُدلّل جواب دیا جا سکے۔

اسلام میں عام انسانی حقوق اور آزادی

موجودہ دور کا ایک اہم موضوع "اسلام میں عام انسانی حقوق اور آزادی" پر بھی جدید انداز اور

سائنٹیفک طریقے پر بحث اور مفصل تحریروں اور ان کی اشاعت کی ضرورت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ موضوع بھی سورج سے زیادہ روشن، بدیہی اور اسلام کی تاریخ کا واضح باب ہے، مگر پروپیگنڈہ کی یلغار میں چیونٹی کی رفتار کی نہیں بلکہ بڑی بیباکی، جرأت اور حوصلہ وعزم کے ساتھ پُر وقار گفتار، مستحکم کردار اور مثبت و مؤثر رفتار کی ضرورت ہے۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ انسان کو جان ومال اور آبرو سے متعلق جتنے حقوق بھی اسلام نے دیئے ہیں نہ صرف یہ کہ قدیم عصرِ حجری اور زمانۂ جاہلیت کی رسومات نے عطا نہیں کیے بلکہ اہلِ کتاب کی قانونی تشریحات اور رومن قانون نے بھی حتّیٰ کہ آج تک امریکن منشورِ آزادی، فرانسیسی منشورِ حریت اور اقوامِ متحدہ کے منشورِ حقوقِ انسانی نے بھی نہیں بخشے اور جو کچھ بخشے بھی، وہ پہلی بات تو یہ کہ اسلام کے سینکڑوں سال کے بعد اور دوسری تلخ بات یہ کہ وہ صرف کاغذ پر خوشنما پھول کی طرح سجے ہوئے ہیں۔ مظلوم قوموں اور محروم افراد نے ان سے کوئی انصاف نہیں پایا۔ بلکہ ان کے لیے وہ خارِ بن کر خلش کا باعث ہیں اور تیسری بات یہ کہ آزادی کے نام پر الحاد، بے حیائی، آوارگی، قومی، لسانی، جنسی اور لونی تعصب پھیلایا گیا۔

اس موضوع پر علمی اور تقابلی انداز میں بہت اچھی اور مفید بحثیں اور ٹھوس علمی اور تاریخی حقائق سامنے لائے جاسکتے ہیں اور یہ بتایا جاسکتا ہے کہ اسلام کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے پہلے دن سے آزادی کے حدود متعین کیے ہیں تاکہ ایک شخص کی آزادی سے کسی دوسرے شخص یا قوم کا نقصان نہ ہو۔ اسی طرح خدا اور اس کے احکام سے بغاوت کی آزادی نہیں۔ اس کے بعد نفس کی شرارتوں، حکام کے ظلم وستم اور شیطان کے فریبوں سے آزادی کی مکمل دعوت اسلام کے حیات بخش پیغام میں سموئی ہوئی ہے، اور اسلام نے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کو بھی وہ آزادانہ حقوق اور حریّات عطا کی ہیں جن کی نظیر تاریخ قدیم وجدید میں نہیں ملتی۔

شریعتِ اسلامیہ کے بنیادی قواعد اور اصول

تیسرا اہم موضوع شریعتِ اسلامیہ کے بنیادی قواعد اور اصول ہیں۔ لاریب یہ موضوع مواد اور معلومات کے اعتبار سے سہل اور اپنے حقائق کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر بدیہی ہے۔ مگر عامۃ المسلمین، سوسائٹی کے ذمہ دار افراد اور لکھے پڑھے طبقے بالخصوص قومی باگ ڈور کے منصب پر فائز افراد تک پہنچانے، انہیں سمجھانے اور ان کے دل میں مؤثر طریقے سے اس کے بٹھانے کی ضرورت ہے —— اس میں کتاب وسنّت اجماع اور قیاس واجتہاد سے متعلق تفصیل سے ٹھوس حقائق اور مباحث سامنے لائے جاسکتے ہیں۔ اور یہ بات مؤثر طریقہ سے پیش کی جاسکتی ہے کہ فقہ اسلامی کی عظیم میراث اپنے اندر ایسی قانونی صلاحیت رکھتی ہے کہ ہر زمانے میں پیدا

ہونے والے مسائل کا حل اس کی روشنی میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اور قیاس و اجتہاد کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ اصولِ شریعت کے خلاف نہ ہوں اور کسی بنیادی اصول سے نہ ٹکراتے ہوں اور اسلامی روح یعنی کتاب و سُنّت سے معارض نہ ہوں کہ یہی حق جاننے کا معیار و میزان ہے، اور کسی ایسی چیز میں قیاس و اجتہاد کی اجازت ہی نہیں جس میں نص یعنی کتاب و سُنّت کی دلیل یا اجماع موجود ہو۔

مصلحت اور عُرفِ عام

چوتھا موضوع "شریعتِ اسلامیہ میں مصلحت و عرفِ عام" کے مقام اور اس کی اہمیت و ضرورت اور شرعی نقطۂ نظر سے اس کی حیثیت اور بین الاقوامی قوانین میں اس کے مروّجہ تعامل کو خصوصی اہمیت کے ساتھ اُجاگر کرنا ہے ـــــ اگر اسلامی قوانین اور فقہی احکام میں قدرے تامّل کیا جائے تو اس موضوع کی انتہائی اہمیت مزید سامنے آجاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اسلام کو قیامت تک انسانی زندگی کا ساتھ دینا ہے، اور تمام اقوامِ عالم اس کے زیرِ سایہ آئے اور آئندہ بھی آتے رہیں گے۔ اس لیے قرآن و حدیث اور تعامل صحابہؓ میں مصلحت اور عرفِ عام کو بڑی اہمیت دی گئی۔

اسی طرح تمام وہ رائج الوقت چیزیں جن میں کتاب و سُنّت یا اجماع نہیں ہے یعنی وہ شرعی طور پر ممنوع نہیں ہیں یا ان کے کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، ان میں امت کی عام مصلحت، فائدہ اور عرفِ صحیح پر عمل کیا جائے گا ایک زندہ اور پائندہ شریعت کے لیے یہ ضروری چیز ہے۔ لیکن اس مصلحت، عرف اور آگے چل کر اجتہاد کے نام پر اسلامیات کے نام نہاد یورپین اور مسیحی اسکالرز (مستشرقین) اور ان کے مشرقی اسلام کے نام لیوا شاگردوں نے یہ بات عام کرنے کی پوری کوششیں شروع کر دی ہیں کہ اسلام مصلحت کے تقاضوں کو پورا کرنے کا حکم دیتا ہے اس لیے اب عرب کا بدویانہ عرف ساری دنیا کے لیے کیونکر موزوں ہو سکتا ہے اور دوسری بات یہ کہ سینکڑوں برس بعد اب وہ کیسے "قابلِ عمل رہ سکتا ہے؟ اس لیے اب عصرِ حاضر کے سارے ترقی یافتہ پیمانے ہی قابلِ قبول ہونے چاہئیں۔ مثال کے طور پر اُس زمانہ میں سُود کا رواج غلط سمجھا جاتا تھا، اب جدید تمدّن کا عرف یہ ہے کہ سُود بہت بڑی تجارتی فائدہ کی چیز ہے، اس لیے اب اس کو بدل دینا چاہیئے۔ یا فلاں آوارگی، حرامکاری اور حرام خوری عام ہو چکی ہے یا فلاں شرعی قانون یا فلاں چیز اب زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتی اس لیے اس میں ترمیم و تبدیلی کر لینی چاہیئے۔

بہرحال اس قسم کی لاطائل باتوں اور حقیقتاً اصولِ شریعت و عقل کی ابتداء سے بھی جہالت و ناواقفیت آشکارا کرنے والی شریعت کی مخالف اور اسلام بیزار لیکن بظاہر علمی و استدلالی انداز شریعت کی محبت اور اسلام دوستی کا دم بھرنے والی ابحاث کے ذریعہ مسلمانوں کو یہ سمجھانے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے کہ غیر شرعی قوانین شرعی ہیں اور

غیر اسلامی اقدار خالص اسلامی چیزیں ہیں، اور انسانی اوامر خدا کے احکام ہیں۔۔۔۔۔۔ حالانکہ اس سلسلے میں پہلی، اصولی اور آخری بات، جسے فقہ کا ہر طالب علم جانتا ہے اور یہ حضرات بھی اچھی طرح جانتے ہیں لیکن سادہ لوح علمِ دین اور اصولِ فقہ سے ناواقف مسلمانوں میں غلط فہمی پھیلانے کے منظم منصوبے اور سازش کے ماتحت اس ابتدائی اور اصولی مسلّم الثبوت، بدیہی اور دین میں معلوم بالضرورت قاعدہ سے نظر پوشی و اغماض کرتے ہیں۔ وہ اصول یہ ہے کہ مصلحت اور عرف پر اسی صورت میں عمل کیا جائے گا یا اجتہاد کی نوبت اُس وقت آئے گی جب اس معاملہ میں کتاب و سُنّت کا کوئی قطعی حکم موجود نہ ہو، پھر وہاں بھی اجتہاد ان مسائل پر قیاس کے ساتھ ہوگا جن میں نص موجود ہو اور وہ روحِ شریعت اور شرعی اصولوں اور تقاضوں کے ماتحت ہوگا۔ عُرف و مصلحت کا حال بھی یہی ہے کہ عبادات و احکام میں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ زندگی کے عام معاملات اور اجتماعی چیزوں میں جہاں مسلمانوں کو شارع نے آزاد چھوڑا ہے اور کسی قسم کا حکم یا ممانعت نہیں کی ہے وہاں وہ ایسے صالح عرف یا مصلحت پر عمل کر سکتا، جو اسلام کے کُلّی اصولوں، شریعت کے تقاضوں اور دین کی روح کے منافی نہ ہوں۔ جیسے کھانے پینے کے حلال طریقے، لباس وغیرہ کی متنوّع شکلیں جو ساتر ہوں اور خصوصیت کے ساتھ غیر مسلم قوموں کا مذہبی شعار نہ ہوں۔ اسلحہ کے نت نئے استعمال، زراعت و صناعت کے جدید وسائل اور دنیاوی استعمال کی بیشمار چیزیں۔ لیکن یہ بات شرعاً ہی نہیں بلکہ عقلاً بھی سمجھ میں نہیں آسکتی کہ مصلحت، عرف یا اجتہاد کے نام پر کوئی مسلمان سُود، زنا، سُور، شراب، والدین کی نافرمانی، قتلِ نفس، چوری اور متفرق دوسرے محرّمات کو امریکہ و یورپ کے عرفِ عام پر قیاس کر کے حلال کرنے کی کوشش کرے یا بالکل اسی طرح عرفِ اسلامی میں اور نصِ قرآنی و نبوی میں منصوص طیبات جیسے شادی، طلاق، میراث، اکلِ حلال، نظامِ زکوٰۃ، توحیدِ باری تعالیٰ وغیرہ جیسی اسلام کی قابلِ فخر خوبیوں کو اپنی یورپ سے مرعوب و مسحور عقل سے کیے ہوئے اجتہاد اور غیر قوموں کے اعمال پر قیاس کر کے حرام ثابت کرنے کی راہیں تلاش کرے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دن کی روشنی میں چراغ کی لَو سے اپنی راہ تلاش کرنے کی سعیٔ لاحاصل میں گرفتار ہو۔

بہرحال اس موضوع پر تفصیلی بحث اور واضح حقائق کو مزید اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ تعریفوں کی توضیح اور اقسام کا بیان ضروری ہے اور یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ کتاب و سُنّت یا شریعت کی روح کے معارض کسی مصلحت یا عُرف کو بھی اسلامی معاشرہ میں زندہ رہنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن صحیح عرف اور مصلحت کا صحیح استعمال اسلامی طرز پر جب کیا گیا تو مسلمانوں نے اقوامِ عالم کی خوبیوں اور علوم کو اپنانے میں کوئی دریغ نہیں کیا، البتہ مصلحت یا عرف کے نام پر اقوامِ عالم کی گندگیاں، آزادیاں، مشتفین، شہوت رانیاں، غیر شرعی چیزیں اور حرام طریقہائے زندگی ہرگز نہیں اپنائے جاسکتے۔

مروّجہ قوانین میں اسلامی اقدار کی بالادستی اور تحفظ

پانچواں اہم آئٹم ملک کے مروّجہ قوانین میں اسلامی اقدار کے تحفظ اور بالادستی کے لیے ٹھوس اور مستحکم بنیادوں پر کام کرنا ہے اگرچہ ملک کے مروّجہ قوانین میں بھی بہت سی ایسی دفعات ہیں جو شریعت کی مخالفت نہیں کرتیں لیکن بعض اہم نکات پاکستان بلکہ اکثر اسلامی ملکوں کے قوانین میں موجود ہیں جو شریعت کی روح، خدا کے حکم اور اسلام کے سراسر مخالف ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سارے قوانین انگریزی، فرانسیسی اور جرمن قوانین سے ماخوذ ہیں جو سامراجی دورِ ظلمت میں مسلم ملکوں پر لاد دیئے گئے تھے۔

مثال کے طور پر سود، کھیل کود میں جُوا، لاٹری اور موجودہ اصولوں کے ساتھ انشورنس (بعض اسلامی ممالک میں زنا کا قانوناً غیر شادی کے لیے کوئی جُرم نہ ہونا، باہمی رضامندی کے ساتھ اس کا جُرم نہ ہونا اور صرف زنا بالجبر کا جُرم ہونا، اور اس پر شرعی سزا نہیں ہے بلکہ شادی شدہ ہونے کی حالت میں اگر میاں بیوی معاف کر دیں تو مقدمہ واپس ہو سکتا ہے) یہ سب مغربی انحطاطِ اخلاقی سے متاثر قوانین کی عکاسی ہے، اسی طرح بعض ملکوں میں قتلِ عمد کی صورت میں قصاص نہیں ہے۔

بہرحال یہ بحث تفصیل طلب اور ہر لحاظ سے توضیح و تفہیم کی متقاضی ہے اور یہی کرنے کا کام ہے۔ میں یہاں صرف ایک نکتہ کی طرف اشارہ کرتا ہوں شاید فائدہ سے خالی نہ ہو۔ وہ یہ کہ اسلام نے مغربی قوانین کے مخالف کیسا عاقلانہ فیصلہ کیا ہے کہ قتل کی صورت میں معافی کا حق حکومت کو نہیں دیا بلکہ وَلِیُّ الدَّم کو دیا ہے۔ اس لیے کہ یا تو اس طرح دل کا غبار اور غصہ عادلانہ قصاص کے ذریعہ ختم ہو جائے گا یا دیت کی شکل میں اور معافی کی صورت میں ـــــ کہ اسلام نے اس پر اُبھارا بھی ہے ـــــ محبت اور اخوّت کی فضا پھر قائم ہو جائے گی لیکن اس کے برخلاف زنا جیسے اخلاقی جرم کی معافی کا حق ثبوتِ قطعی اور شروط کے پورا ہو جانے کی صورت میں ـــــ اور شروط اور شہادت کے اصول اتنے سخت ہیں کہ ان کا پورا ہونا بہت مشکل ہے ـــــ نہ حکومت کو دیا گیا اور نہ شوہر اور بیوی میں سے کسی کو، کیونکہ یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں اور ان میں معافی تلافی کی صورت میں بے اخلاقی عام ہو گی۔ زوجیت کے مقدس اور مخلصانہ وفا کے آئینۂ صافی پر بال پڑ جائے گا۔ آبرو باختگی اور حیاسوزی کا دَور دَورہ ہو جائے گا۔ سوسائٹی میں سکون و اطمینان کے بجائے قلق، پریشانی، ندامت اور ذہنی خلجان بڑھ جائے گا اور شکوک و شبہات کا یہ طریقِ عمل آگے چل کر نفرت و حقارت کے علاوہ انتقام و غیرت کی خاطر قتل و خون کا غیر قانونی دروازہ بھی کھول دے گا۔

بہرحال اخلاق، آبرو، عصمت اور حیاء کا درجہ مغربی تہذیب اور قانون میں نہ صرف یہ کہ جانی حقوق سے

کم ہے بلکہ طرفہ تماشہ تو یہ ہے کہ مال سے بھی کم ہے کیونکہ بعض ملکوں میں لڑکی اپنے مالی و تجارتی حقوق ــــــ جو اس نے بڑی جد و جہد کے بعد کچھ حاصل کیے ہیں ــــــ ان کا استعمال آزادی کے ساتھ ۲۱ سال کے بعد کر سکتی ہے لیکن جنسی حقوق کا ناجائز استعمال پوری آزادی بلکہ بے حیائی اور بے شرمی کے ساتھ ۱۸ سال کی عمر ہی سے قانوناً شروع کر سکتی ہے۔ اور قانونی عمر سے بہت پہلے سوسائٹی میں عام جنسی آوارگی اور آبرو باختگی کا اندازہ تو ہم مشرقی اور مسلمان ذہن لگا ہی نہیں سکتے ــــــ اور یہی وہ اخلاقی "خوبیاں" اور تمدن کے "تحفے" ہیں جنہیں ترقی کے نام پر مسلمانوں کے مغربی اور مسیحی دانا دشمنوں کی سازشوں اور نادانستہ کوششوں سے فریب خوردہ مشرقی مسلمان نادان دوست اسلامی معاشرہ میں طرح طرح کے نام بدل کر پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ اسلام نے عفت، حیا، پاکدامنی، ہمدردی، غمخواری اور کم آزاری کی تعلیم دی ہے جبکہ مغربی تہذیب نے جُوا و قمار بازی، آزادی و بے حیائی اور رنج و آزار دیا ہے ــــ

صلہ فرنگ سے آیا ہے سوریا کے لیے
مے و قمار و ہجومِ زنانِ بازاری

اسلام میں بین الاقوامی تعلقات

ایک اہم موضوع "اسلام میں بین الاقوامی تعلقات" اسلامی ملکوں اور غیر اسلامی ملکوں کے ساتھ غایت درجہ قابلِ توجہ ہے اور یہ بات بڑی جرأت، وضاحت اور نکھار کر دنیا کے سامنے لانی چاہیئے کہ اسلام نے اس سلسلے میں بھی ایسے کلی اصول عطا کیے ہیں جن کی روشنی میں بین الاقوامی تعلقات قائم کرنا کوئی مشکل بات نہیں۔ آج یورپ و امریکہ میں بھی اس موضوع پر امام اعظم ابوحنیفہؒ کے جلیل القدر شاگرد امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کو امامت کا درجہ عطا کیا جا رہا ہے اور ان کے نام سے بین الاقوامی سوسائٹیاں بن رہی ہیں۔

اس موضوع میں جدید حالات اور زبان و ادب کو ملحوظ رکھ کر تفصیلی طور پر دارالاسلام، دارالحرب، دارالمعاہدہ اور دارالموادعہ وغیرہ کی اسلامی اصطلاحوں پر بحث کرنی چاہیئے اور مضبوط و مستحکم اور ٹھوس دلائل سے یہ بات سامنے لانے کی ضرورت ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا ہے بلکہ یہ حقیقت ہے (اور اب موجودہ دور میں اس کے اجاگر کرنے کی اشد ضرورت ہے) کہ اسلام اپنی فطرت بشریہ کے موافق قوانین اور منصفانہ اصولوں، انسانی کرامت کے احترام اور بے شمار خوبیوں کی وجہ سے پھیلا ہے۔ تلوار کا استعمال شریعت کی حفاظت، جان و مال کی حفاظت، اسلامی زمین اور آبرو کی حفاظت کے لیے کیا گیا اور ہمیشہ تلوار، توپ اور بم کا استعمال ضروری ہے۔ جہاد اسلام کا شعار اور فرض ہے کیونکہ ایسی ابلیس سرشت طاقتیں ہمیشہ دنیا میں موجود رہتی ہیں جو طاقت کی منطق کے سوا کسی دوسری چیز سے

ہوش میں نہیں آتیں۔ اور اسلامی ممالک میں سامراجی طاقتوں کا داخل ہونا اور عرصہ دراز تک قابض رہنا اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ جب قوت کمزور ہوتی ہے تو اسلام دشمن عناصر غلبۂ باطل کے منصوبے بناتے ہیں۔

اور یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ آج دنیا کی ساری حکومتیں جنگی تیاریوں اور اسلحہ پر بے دریغ پیسہ خرچ کرتی ہیں اور وزارتِ جنگ کا نام ڈیفنس یا دفاع کی وزارت رکھتی ہیں اور ان کی اس وزارت پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ بلکہ راقم ایک نیا استنتاج پیش کرتا ہے۔ وہ یہ کہ آج ترقی یافتہ قومیں جبری ٹریننگ تمام بالغین کے لیے مقرر کرتی ہیں اور اس سے انکار کرنے والوں کو سزا بھی دی جاتی ہے، لیکن اگر اسلام جہاد کو فرض قرار دیتا ہے اور یہ ایسا جامع لفظ ہے جو جنگ اور ڈیفنس دونوں سے زیادہ اہم معنیٰ اپنے اندر رکھتا ہے اور تقویٰ و اخلاق اور مجاہدہ کا مظہر بھی ہے اور یورپ سے تیرہ سو سال قبل ہر مسلمان پر اس نے فوجی ٹریننگ لازمی قرار دی ہے تاکہ وہ اپنے عقیدہ، آبرو اور حدود کی حفاظت اسلام دشمن طاقتوں کے مقابلے میں کر سکیں تو اس پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ یہ تماشا جہالت و تعصب، تنگ نظری اور واضح طور پر اسلام سے حسد و بغض و نفرت کا مظہر نہیں تو اور کیا ہے؟ ـــــ وہی عمل جسے دنیا کی ساری قومیں ہمیشہ کرتی ہیں، اسلام بھی اگر اسے زیادہ منظم، اخلاقی اور محتاط طریقے پر کرے تو اسلام دشمنوں کے باشعور ضمیر فوراً چونک پڑتے ہیں۔ اور یہی وہ باشعور اور بیدار ضمیر ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی (نعوذ باللہ) خدا کی طرف سے ایسے سخت احکام صادر کرائے ہیں جن کی رُو سے جنگ میں شریک ہونے والے اور نہ ہونے والے، غیر مسلح شہری بلکہ پُرامن اور دشمنی نہ ظاہر کرنے والی دوسری قومیں تک سب کی سب تلوار سے قتل کی جاتی ہیں اور بچوں، بوڑھوں اور عورتوں سمیت شہر تک جلا دیئے جاتے ہیں اگر ان میں عبادتِ باطلہ جاری ہو جائے۔ (استثناء ۱۳: ۱۲–۱۸، ۲۰: ۱۰–۱۸)

تاریخی تفصیل کا یہ موقع نہیں ـــــ بہرحال یہ زندہ ضمیر لوگ شارلمان کی اُسی نسل سے ہیں جس نے سیکسونی، بوہیمی اور متعدد یورپین وثنی قوموں کو تلوار کے زور سے مسیحیت میں داخل کیا تھا۔ یہی وہ باشعور ضمیر ہیں جنہوں نے دو سو برس تک تلوار و تفنگ کے ذریعہ بلا کسی قانونی حق کے برصغیر ہند پر حکومت کی تھی، مشرقِ وسطیٰ میں پھانسیوں کے تختے لٹکائے تھے، ہیروشیما کو جہنم زار بنایا تھا، جن کے کارخانوں میں آج بھی دنیا کے سب سے مُہلک ہتھیار بے شمار بن رہے ہیں، اور ان سب کوششوں کا نام قیامِ امن ہی کی کوششیں رکھا جا رہا ہے۔ لیکن ہلاکت و بربادی، خونخواری و ستم کیشی اور ظلم و ستم صرف اسلام کا فریضۂ جہاد ہی ہے؟

بہرحال حق پسند لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا منظم جنگی اور اخلاقی قانون ہے اور آج بیسویں صدی میں ماڈرن قومیں ایک طرف فوجی تربیت ہر شخص پر لازمی قرار دے رہی ہیں اور دوسری طرف جنگ کو کسی قدر اخلاقی بنانے کے لیے رولز وغیرہ بنا رہی ہیں مگر آج تک اس کے عشرِ عشیر کو نہیں پہنچ سکے جو اسلام

تیرہ سو سال قبل اپنائے تھے۔

بات یہ عرض کرنی چاہتا ہوں کہ در اصل امتِ اسلامیہ ایک اُمّت ہے لیکن حالات کے پیشِ نظر متعدد اسلامی ملک ہیں۔ اگر قیادت امین ہاتھوں میں ہو تو اس تعدد کے باوجود بھی متحدہ قانون بنایا جا سکتا ہے اور اسلامی ملکوں سے تعلقات اور روابط اسلامی بنیادوں پر مخلصانہ، دوستانہ اور برادرانہ قائم کرنے پر زور دینا چاہیئے۔

دوسری دشمن حکومتیں ہیں جو اسلام کے مخالف ہیں اور عملی طور پر مسلمانوں کے خلاف اقدام کرتی ہیں۔ تیسری وہ غیر مسلم حکومتیں ہیں جن سے ہمارے معاہدے ہیں، وہ ہمارا احترام کرتی ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ظلم و ستم اور تعصب سے پیش نہیں آتیں اور دوستی کا احترام کرتی ہیں ہم بھی ان سے عہد و پیمان کا احترام کرتے ہیں اور ان سے بلاوجہ دشمنی نہیں کرتے کہ اسلام انسانی احترام کا قائل ہے اور عہد شکنی کی مذمت کرتا ہے۔

اس سلسلہ میں کام کرنے والے سکالر، علماء اور مفکرین تفصیلی طور پر اسلامی حکومتوں کے زمانہ میں غیر مسلم حکومتوں سے تعلقات، معاہدات اور ہدایا وغیرہ کے تفصیلی مباحث، نظائر اور کئی اہم گوشے اُجاگر کر سکتے ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے اصولوں پر بھی گفتگو کی جا سکتی ہے۔ جدید انداز کا یہ لٹریچر جب تیار ہو اور تحقیقی و مطالعاتی ذوق رکھنے والے اور لکھے پڑھے احباب کے لیے اس سے استفادہ کے مواقع فراہم کر دیئے جائیں تو پھر اگر کسی کی دینی تعلیم زیادہ نہ ہو، انہوں نے یونیورسٹیوں میں کیوں نہ ڈگریاں حاصل کی ہوں، آپ کی علمی کاوش اور فکری تربیت کے نتیجے میں ان کے قلب و نظر اسلام کی حقیقت سے باخبر رہیں گے، وہ ذہن اور علم ذہن اور فکری اعتبار سے دل کے بادشاہ رہیں گے اور دیارِ غیر میں رہنے اور وہاں پڑھنے کے باوجود اپنے سرمایۂ حیات پر نازاں، اسلامی میراث اور فقہ اسلامی کی قدر و منزلت پر فریفتہ رہیں گے۔

شریعت میں حدود اور نئے قوانین میں ان کی تطبیق

موجودہ دور کا سب سے اہم اور معرکۃ الآراء مسئلہ "اسلامی شریعت میں حدود اور نئے قوانین میں ان کی تطبیق" ہے۔ یہ حقیقتِ حال تمام اہلِ فکر و نظر کے سامنے واضح ہے کہ آج کے عصرِ حاضر میں جہاں مغربی سوسائٹیوں کا معیار، اخلاقی انحطاط و زوال کی آخری ڈگری پر پہنچ چکا ہے اور قتل و غارت گری، چوری، ڈاکہ زنی، زنا، راہزنی، حرام کاری اور حرام خوری وغیرہ جیسے عیوب عام ہو چکے ہیں اور ان کے روکنے کی ساری تدبیریں بے سود ہوتی جا رہی ہیں۔ جیلوں، عدالتوں، ججوں اور وکیلوں کی ہر جگہ بہتات ہے، پھر بھی انصاف اور عدالت کے خواہاں مضطرب اور بے چین ہیں۔ اس پریشان اور مضطرب ماحول میں ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ اس اخلاقی انحطاط کے خلاف کوئی مؤثر اقدام

کیا جاتا، لیکن اس کے برخلاف مجرموں کے ساتھ نت نئے ناموں اور بہانوں سے رحم وکرم کا جذبہ ابھر رہا ہے اور ان کے زیر سایہ اسلامی حدود پر وحشیانہ، بدوبانہ، ظالمانہ اور عصر حاضر کے ذوق کے خلاف ہونے کا الزام لگایا جا رہا ہے ـــ حالانکہ یہ تاریخ اور تجربہ کی مسلم الثبوت شہادت ہے کہ سوسائٹی کو سکون سے آشنا کرنے کے لیے جتنے بھی قوانین آج تک پردۂ ہستی پر بنائے جا سکے ہیں ان میں اسلام کا نظام تربیت واخلاق اور اس کے بعد نظام حدود سب سے زیادہ مؤثر اور کارگر ثابت ہوا ہے۔

کیونکہ اسلام پہلے تو اپنی تعلیمات کے ذریعہ خدا پرستی، معرفتِ نفس، اخوت، ہمدردی اور طہارت وعفت کے عالی جذبات پیدا کرتا ہے، لیکن اگر چند بے راہ رو شیطان نفس کی اتباع کرنا چاہتے ہیں اور سوسائٹی میں فواحش پھیلانا چاہتے ہیں تو اسلام ان کو سخت سزا دے کر سوسائٹی کو پاک وصاف بنانا چاہتا ہے۔ اور اسلامی حدود ایسی نہیں ہیں کہ اگر نافذ ہو جائیں تو عوام پریشان ہو جائیں بلکہ اس کے برعکس سب سکون وچین کی نیند سو جائیں۔ چوری، ڈاکہ، قتل، بے آبروی اور حرامکاری کا ہر داغ مٹ جائے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جو لوگ ان اعمال کے گرویدہ اور دلدادہ ہیں انہیں اس سے بہت نقصان ہوگا اور وہ اس کے خلاف ہمیشہ اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے، پھر حدود کو نافذ کرنے میں جس احتیاط، گواہی کے شروط اور سخت اصولوں کو سامنے رکھنا پڑتا ہے اور چھوٹے چھوٹے شک و شبہ سے حدود ختم ہو جاتی ہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ اسلام نے ایک طرف انصاف و عدالت کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے اور دوسری طرف علاج، دوا اور پرہیز کے بعد حدود کو قائم کیا ہے۔

اسلام نے شادی کے معاملہ میں آسانیاں مہیا کیں، پھر ناچاقی کی صورت میں طلاق میں رکاوٹیں نہیں ڈالی گئیں، ایمان واخلاق اور تقویٰ کا درس دیا گیا۔ اس کے باوجود بھی حرام کاری کرنے والے کو سزا دی جائے گی لیکن گواہی کی ایسی سخت شرطیں رکھی گئی ہیں کہ تاریخ اسلام میں آج تک زنا کے سلسلے میں کوئی سزا گواہی کے ذریعے نہیں ہوئی ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس فعل قبیح کی مذمت ظاہر کرنے کے لیے اور سوسائٹی میں فواحش پھیلنے کو روکنے کے لیے قانون میں یہ "حد" رکھی گئی ہے جس کا مشاہدہ یورپ وامریکہ کے کلبوں، پارکوں، سڑکوں اور رفاہِ عام کی جگہوں پر ہوتا رہتا ہے۔ چوری چھپے، سہمتے، ڈرتے گھر کی چار دیواری میں گناہ سمجھتے ہوئے بدفعلی کا صدور ہر اُس جگہ جہاں انسان رہتے ہیں ممکن ہے لیکن علانیہ، قانون کے ذریعہ، لوگوں کی نظروں کے سامنے ثواب سمجھ کر ہر قسم کی فطری اور غیر فطری بدکرداریوں کے جواز کا فتویٰ تو غلاظت ونجاست کے عروج کے زمانہ میں سدوم ومن لُپایٔر کے منچلے تک نہ دے سکے تھے جیسے آج قانونی سند مغربی تہذیب کے دیوانوں نے دے رکھی ہے۔

اس سلسلہ میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ مثال کے طور پر چوری کی سزا ہاتھ کا ٹنا ہے۔ چوری کی وجہ سے اکثر اوقات گھرانوں کا سکون مٹ جاتا ہے، برسوں کی پونجی لُٹ جاتی ہے اور نوبت چور کی طرف سے قتل تک آجاتی ہے اور

سوسائٹی میں کسی طرح چوری ختم نہیں ہوتی ۔ اس کے برخلاف جب اسلامی حدود نافذ تھیں تو شاذونادر ہی چوری ہوتی تھی اور آج بھی دنیا میں سب سے زیادہ کم چوری کی شرح سعودی عرب میں ہے ۔ حیرت نہیں تو اور کیا ہے ـــــ کہ وحشی، لٹیرے اور چوری کی عادی قوم ـــــ آج سے پچاس سال قبل کے احوال جاننے والے اس حقیقت سے باخبر ہیں ـــــ کس طرح ایماندار اور چوری سے باز رہنے والی قوم بن گئی ـــــ کوئی صاحب اسکی یہ تاویل اور توجیہہ نہ کرے کہ مال و زر کے انبار انہیں مل گئے کیونکہ امریکہ یقیناً سعودی عرب سے زیادہ مالدار، زیادہ تعلیمیافتہ اور عصرِ حاضر کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک ہے وہاں چوری اور دوسرے سنگین جرائم کی شرح سب سے زیادہ ہے اور اس کے حساب کے لیے اب منٹ تک ناکافی ہوکر نوبت سیکنڈوں تک آگئی ہے ـــــ اس کے مقابلہ میں ابنِ سعود کی پوری مدتِ حکومت ۲۴ سال میں صرف ۱۶ چوری کی واردات ہوئی تھیں جبکہ ابنِ سعود کا شروع زمانہ فقر و مصائب اور مشکلات کا زمانہ تھا۔

یہ بجائے خود اس اعتراض کا جواب بھی ہے کہ اگر اسلامی قانون نافذ کردیا جائے تو سوسائٹی میں ہر طرف ٹنڈے ہی ٹنڈے نظر آئیں گے ۔ یہ اعتراض بالکل قابلِ اعتبار نہیں کیونکہ اس طرح تو پھر ہر اچھی چیز چھوڑنی پڑے گی ۔ موٹروں کو ایکسیڈنٹ کے خطرے اور سوسائٹی کو اپاہج پیدا کرنے کے الزام میں چھوڑنا پڑے گا ۔ ہوائی جہاز، فیکٹریاں اور تعمیر و ترقی کے سارے پلان بند کرنے پڑیں گے کیونکہ عمومی فائدہ کی ہر چیز میں کسی نہ کسی فرد کے لیے نقصان کا پہلو نکل سکتا ہے ۔

ہم یہاں قدیم و جدید قوموں کے قوانین پر ناقدانہ گفتگو نہیں کرنا چاہتے بلکہ صرف عصرِ حاضر کے ترقی پسند، آزاد، مہذب ذہن اور زندہ ضمیر سے جو حدود کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، اتنی گذارش کرنی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس پر راضی کرنے کی کوشش کرے کہ قاتل کو قتل کیا جائے، چور کا ہاتھ کاٹا جائے اور اسلامی قصاص و حدود کو وہ قبول کرلے جس طرح عالمی ضمیر نے ویٹ نام میں انسانی ہلاکت کا سامان بہم پہنچایا اور سرخ انقلاب میں پچاس لاکھ انسانوں کو آزادی اور مساوات کے نام پر خاک و خون میں تڑپایا ۔ پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کی اجازت دی، چور کی سزا قتل تک تجویز کی، سامراجی زمانے میں پھانسی کے تختے لٹکائے، پھر انسانی چربی سے صابون بنائے گئے، انسانی کھال جوتوں میں استعمال کی گئی، آتشیں بموں نے جسموں کو خاکستر بنایا، پستول کی گولیاں چوروں اور ڈاکوؤں کے ذریعہ ہر پُرامن شہری کے سینہ کو داغدار کرنے کا ارمان رکھتی ہیں اور آبرو باختگی اور جنسی انارکی کے مریض ہر عفت مآب گھرانے کا سکونِ دل لوٹنے کیلئے بے قرار نظر آتے ہیں ۔ ایسے پاکباز، طاہر و نظیف اور بیدار مشرقی و مغربی عالمی ضمیر پر ذراسی کوشش بھی اگر کی جائے تو شاید مجرم کو سزا دینے پر وہ راضی ہو ہی جائے اور اسلام کی منظم حدود اسے اپنے غیر قانونی کردار اور جنگل کے دستور کے مقابلہ میں زیادہ منصفانہ اور ہلکی نظر آئیں ۔

داعی کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

عالم عربی، اہل مغرب کی آماجگاہ کیوں؟

عالم عرب، دنیائے انسانیت کا دھڑکتا ہوا دل ہے جو اب بدقسمتی سے اہل مغرب کی نظروں کا مرکز، اُن کی خواہشات کی آماجگاہ اور قیادت ولیڈرشپ کیلئے مقابلہ کا میدان بنا دیا گیا ہے۔ موجودہ حالات میں اس کی حفاظت، امن و استحکام تمام عالم اسلام کا بنیادی فریضہ ہے داعئ کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ عالم عرب کے معروضی حالات کا جائزہ پیش فرماتے ہیں۔ اگر عرب سنبھل جائیں تو تمام عالم کی قیادت اور دنیائے انسانیت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہوگی ——— (عبد القیوم حقانی)

عالم عرب کی اہمیت دنیا کے سیاسی نقشہ میں عالم عربی بہت اہمیت رکھتا ہے، وہ ان قوموں کا گہوارہ ہے جنہوں نے انسانی تاریخ میں سب سے اہم پارٹ ادا کیا۔ اس کے سینہ میں دولت و طاقت کے عظیم الشان خزانے محفوظ ہیں، اس کے پاس پٹرول ہے جو آج جنگی اور صنعتی جسم کے لیے خون کا درجہ رکھتا ہے اور یورپ و امریکہ اور مشرقِ بعید کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے۔

وہ عالم اسلام کا دھڑکتا ہوا دل ہے جس کی طرف روحانی اور دینی طور پر پورے عالم اسلامی کا رُخ ہے جو ہر وقت اس کا دم بھرتا ہے اور اس کی محبت و وفاداری میں سرشار رہتا ہے۔

اس کی اہمیت اس لیے اور بڑھ جاتی ہے کہ اس کا امکان ہے کہ خدانخواستہ اس کو تیسری (عالمی) جنگ کا میدان بننا پڑے۔ وہاں طاقتور بازو ہیں، سوچنے سمجھنے والی عقلیں ہیں اور جنگجو جسم ہیں، وہاں بڑی بڑی تجارتی منڈیاں ہیں اور قابلِ کاشت زمینیں ہیں۔

مصر وہیں واقع ہے جو اپنی پیداوار، آمدنی، زرخیزی و شادابی، دولت و ترقی، تہذیب و تمدن میں خاص درجہ رکھتا ہے، جس کی گود میں دریائے نیل رواں دواں ہے۔ یہاں فلسطین ہے اور اس کے ہمسایہ ممالک ہیں جو اپنی آب و ہوا کی لطافت و حسن و خوبصورتی اور فوجی اہمیت میں ممتاز ہیں۔

اس کے پاس "عراق" کا ملک ہے جو اپنی بہادری، سخت جانی، شجاعت، عزم اور پٹرول کے ذخیروں کی وجہ سے مشہور ہے۔

یہاں جزیرۂ عرب ہے جو اپنے روحانی مرکز، دینی اثر میں سب سے منفرد ہے، جس کے حج کے سالانہ اجتماع کی نظیر دنیا میں نہیں۔ یہاں تیل کے چشمے سب سے زیادہ تیل پیدا کرتے ہیں۔

یہ سب چیزیں ہیں جنہوں نے عالمِ عربی کو اہلِ مغرب کی نظر کا مرکز، ان کی خواہشات کی آماجگاہ اور قیادت و لیڈرشپ کے لیے مقابلہ کا میدان بنا دیا اور جس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ ان ملکوں میں عربی قومیت اور وطن پرستی کا شدید احساس پیدا ہو گیا ہے۔

محمد رسول اللہ عالمِ عرب کی روح ہیں ایک مسلمان، عالمِ عربی کو جس نظر سے دیکھتا ہے اُس میں اور ایک یورپین کی نظر میں زمین آسمان کا فرق ہے، بلکہ خود ایک وطن پرست عرب عالمِ عربی کو جس نگاہ سے دیکھتا ہے وہ ایک مسلمان کی نگاہ سے بالکل مختلف ہے۔

مسلمان عالمِ عربی کو اس حیثیت سے دیکھتا ہے کہ وہ اسلام کا گہوارہ ہے، انسانیت کی پناہ گاہ ہے، عالمی قیادت کا مرکز ہے، روشنی کا مینار ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ عربی کی جان، اس کے عزت و افتخار کا عنوان اور اس کا سنگِ بنیاد ہیں۔ اگر اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جدا کر دیا جائے تو اپنے تمام قوت کے ذخیروں اور دولت کے چشموں کے باوجود اس کی حیثیت ایک بے جان لاشہ اور ایک نقشِ بے رنگ سے زیادہ نہ ہو گی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہے جس کی وجہ سے عالمِ عربی عالمِ وجود میں آیا۔ اس سے پہلے یہ دنیا منقسم اور منتشر اکائیوں، باہم دست و گریباں قبیلوں، غلام قوموں اور بے مصرف صلاحیتوں کا دوسرا نام تھی، اس پر جہل و گمراہی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ عرب رومی شہنشاہی سے جنگ مول لینے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، اس کا تصور کرنا بھی ان کے لیے مشکل تھا۔ شام جو بعد میں عالمِ عربی کا بہت اہم حصہ قرار پایا ایک رومی نو آبادی تھی جو مطلق العنان حکومت اور سخت ترین ڈکٹیٹرشپ کے رحم و کرم پر تھی، اس نے ابھی تک آزادی و انصاف کا مفہوم ہی نہیں سمجھا سکا۔

عراق کیانی حکومت کی اغراض و خواہشات کا شکار تھا، نئے نئے محاصل اور بھاری ٹیکسوں کی وجہ سے اس کی کمر جھک گئی تھی۔ رومی مصر کے ساتھ ایک گائے کا سا برتاؤ کرتے تھے جس کو دوہنے اور فائدہ اٹھانے میں وہ کمی نہ کرتے لیکن چارہ دیتے وقت حق تلفی اور بخل سے کام لیتے۔ پھر وہاں سیاسی استبداد کے ساتھ مذہبی استبداد کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ دفعتاً اس متفرق منتشر مظلوم دنیا پر اسلام کی بادِ بہاری کا ایک جھونکا چلا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس وقت یہ عربی دنیا ہلاکت کے قریب تک پہنچ چکی تھی، آپ نے اس کی دستگیری فرمائی، اس کی

نبضیں ڈوب رہی تھیں، آپؐ نے اس کو زندگی بخشی، نئی روشنی عطا کی، کتاب وحکمت کی تعلیم دی، تزکیہ کا سبق پڑھایا، آپؐ کی بعثت کے بعد اس دنیا کی نوعیت بدل گئی، اب وہ اسلام کی سفیر تھی، امن وسلامتی کی پیامبر تھی، تہذیب وتمدن کی علمبردار تھی، قوموں کے لیے رحمت کا پیغام تھی۔ اب ہم شام کا نام بھی لے سکتے ہیں، عراق کا ذکر بھی کرسکتے ہیں، ہم مصر پر بھی فخر کرسکتے ہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت نہ ہوتی تو آج نہ شام کا کہیں پتہ ہوتا نہ عراق کا کہیں ذکر ملتا نہ مصر کا وجود ہوتا اور عالمِ عربی، عالمِ عربی ہی نہ ہوتا اور یہیں تک نہیں، دنیا بھی تمدن وشائستگی، علم وفن، تہذیب وترقی کی اس سطح پر نہ ہوتی —— اب اگر عرب قوموں اور حکومتوں میں کوئی دینِ اسلام سے مستغنی ہونا چاہتا ہے اور اپنا رُخ مغرب کی طرف پھیرتا ہے یا عرب کے عہدِ قدیم کی طرف حریصانہ نظر ڈالتا ہے یا اپنے نظامِ زندگی اور سیاست وحکومت میں مغربی دستور اور مغربی قوانین کی پیروی کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا قائد، امام، رہبر اور اُسوہ ومعیار نہیں سمجھتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کی ہوئی نعمت کو فوراً واپس کردے اور اپنے پہلے دورِ جاہلیت کی طرف واپس چلا جائے، جہاں رومیوں اور ایرانیوں کا سکّہ چلتا تھا، جہاں ظلم واستبداد کا بازار گرم تھا، جہاں سامراج کی فرمانروائی تھی، جہاں جہل وگمراہی تھی، جہاں غفلت اور بیکاری تھی، جہاں دنیا سے الگ تھلگ گمنامی کے گوشہ میں ایک مجہول زندگی گذاری جارہی تھی، اس لیے کہ یہ شاندار اور روشن تاریخ، یہ تابناک تہذیب، یہ بازار ادب، یہ عرب سلطنتیں اور حکومتیں صرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک بعثت کا فیض اور آپ کی آمد کا نتیجہ ہیں۔

ایمان، عالمِ عربی کی طاقت ہے اسلام عالمِ عربی کی قومیّت ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے امام اور قائد ہیں۔ ایمان اس کی قوت کا خزانہ ہے جس کے بھروسہ پر اس نے دوسری قوموں کا مقابلہ کیا اور فتحیاب ہُوا، اس کی طاقت کا راز اور اس کا کارگر ہتھیار جو کل تھا وہی آج ہے جس کے ساتھ وہ دشمنوں سے جنگ کرسکتا ہے، اپنی ہستی کی حفاظت کرسکتا ہے اور دوسروں تک اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے۔

عالمِ عربی کو اگر کمیونزم یا یہودیت سے جنگ کرنا ہے یا کسی دوسرے دُشمن کا مقابلہ کرنا ہے تو اُس دولت کے بل بوتے پر جنگ نہیں کرسکتا جو برطانیہ اس کو عطا کرتا ہے یا امریکہ اس کو خیرات دیتا ہے یا پٹرول کی قیمت کے طور اس کو حاصل ہوتی ہے، وہ اپنے دشمن کا مقابلہ صرف اُس ایمان ومعنوی قوت، اس روح اور اسپرٹ کے ساتھ کرسکتا ہے جس اسپرٹ کے ساتھ کبھی اُس نے بیک وقت رُومی وایرانی حکومتوں کو جنگ کی دعوت دی تھی اور فتح حاصل کی تھی۔ وہ اُس دل کے ساتھ جنگ نہیں کرسکتا جس کو زندگی سے عشق اور موت سے نفرت ہو، اُس جسم سے مقابلہ نہیں کرسکتا جو عیش وعشرت کا دلدادہ ہو، اُس عقل کے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکتا جس کو شک وشبہ کا گھن لگ چکا ہو اور افکار وخواہشات باہم دست وگریباں ہوں، اس کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ضعیف الایمان اور متشکک قلب اور میدان میں ساتھ چھوڑ دینے والی قوت کے ساتھ میدانِ جنگ کبھی نہیں جیتا جاسکتا۔

عرب کے قائدین اور عرب لیگ کے ذمہ داروں کے لیے سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ عربی فوج، کسانوں، تاجروں اور جمہور کے ہر طبقہ میں ایمان کی تخم ریزی کریں۔ ان میں جہاد کا جذبہ، جنت کا شوق اور ظاہری آرائشوں کی تحقیر و اہانت کا احساس پیدا کریں، ان کو خواہشاتِ نفس اور زندگی کی مرغوبات پر قابو حاصل کرنے، خدا کے راستہ میں مصائب اور تکلیفیں برداشت کرنے ہنستے چہروں کے ساتھ موت کے استقبال اور اس پر پروانوں کی طرح گرنے کا سبق دیں۔

شہسواری اور فوجی زندگی کی اہمیت یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ عربی اقوام نے اپنی بہت سی فوجی خصوصیات کو ضائع کر دیا، خاص طور پر شہسواری اُن کی زندگی سے بالکل خارج ہوگئی، جو ایک بہت بڑا نقصان اور میدانِ جنگ میں ہزیمت اور کمزوری کا بہت اہم سبب ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان قوموں کی فوجی اسپرٹ جو ان کا طغرائے امتیاز تھی ختم ہوگئی، جسم کمزور ہوگئے، لوگ ناز و نعم میں زندگی گذارنے لگے، موٹروں نے گھوڑوں کی جگہ لے لی اور قریب ہے کہ عربی گھوڑے جن کی دنیا میں دھوم ہے جزیرۂ عرب سے نیست و نابود ہو جائیں گی۔ لوگوں نے کشتی، شہسواری، جنگی مشقوں اور دوسری جسمانی ورزشوں کو فراموش کر دیا اور ان کھیلوں کو اختیار کیا جن کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے تعلیم و تربیت کے رہنماؤں کے لیے ضروری ہے کہ عرب نوجوانوں میں شہسواری، فوجی زندگی، سادگی، استقلال، عزیمت اور مصائب پر صبر و استقامت کی اہلیت پیدا کریں۔

امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عجمی ممالک میں اپنے عرب عمال کو لکھتے ہیں:۔

إياكم والتنعم وزي العجم وعليكم بالشمس فإنها حمام العرب وتمعددوا واخشوشنوا واخلولقوا واعطوا الركب أسنتها وانزوا نزوا وارموا الأغراض (بغوی)	تن آسانی و راحت طلبی کی زندگی اور عجمی لباسوں سے ہمیشہ دُور دُور رہنا، دھوپ میں بیٹھنے اور چلنے کی عادت برقرار رکھنا کہ وہ عربوں کا حمام ہے، جفاکشی، سادہ زندگی صبر و تحمل، موٹے جھوٹے پہننے کے عادی رہو، گھوڑے پر جست لگا کر بے تکلف بیٹھنے کی مشق رہنی چاہیے، نشانے درست ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ارموا بني اسمٰعيل فإن أباكم كان راميا۔ (بخاری)	اے اہل عرب تیراندازی کی مشق رکھو اس لیے کہ تمہارے جدِ امجد (حضرت) اسمٰعیل تیرانداز تھے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:۔

ألا إن القوة الرمي، ألا إن القوة	یاد رکھو جس قوت کے تیار رکھنے کی قرآن مجید میں تاکید

الرمی۔ (مسلم) ہے وہ تیر اندازی ہے، وہ تیر اندازی ہے۔

تعلیم وتربیت کے ذمہ داروں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ہر ایسی چیز کا مقابلہ کریں جو مردانگی و شجاعت کی رُوح کو کمزور کر رہی ہو اور عجز و تخنث پیدا کرتی ہو، عریاں صحافت نگاری، حس اور ملحد ادب کی روک تھام کریں جو نوجوانوں میں نفاق، بے حیائی، فسق و فجور اور شہوت پرستی کی تبلیغ کر رہا ہو۔ ان پیشہ وروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوجی کیمپ میں نہ داخل ہونے دیں جو نسل اسلامی کے قلب و اخلاق میں فساد برپا کرنا چاہتے اور فسق و معصیت اور فحش پسندی کو چند حقیر پیسوں کے لیے خوبصورت اور مزین بنا کر پیش کرتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کسی قوم میں مردانگی اور غیرتِ انسانی کو زوال ہُوا، عورتوں نے اپنی نسائیت اور فطرتِ مادری کے خلاف بغاوت کی اور آزادی و بے حجابی کی راہ اختیار کی، ہر چیز میں مردوں کی مسابقت کی کوشش کی، خانگی زندگی سے نفرت و غفلت بڑھی اور ضبطِ تولید کی رغبت پیدا ہوئی، اس کا ستارۂ اقبال ہُوا اور رفتہ رفتہ اس کے نشانات بھی مٹ گئے۔ یونانی، رُومی اور ایرانی اقوام کا انجام یہی ہُوا اور یورپ بھی آج اسی راہ پر گامزن ہے جو اس انجام تک لے جاتی ہے۔ عالم عربی کو ڈرنا چاہئیے کہ کہیں اس کا انجام بھی ایسا نہ ہو؟

طبقاتی تفاوت اور اسراف کا مقابلہ

عربوں کو مغربی تہذیب کے اثر سے اور بہت سے دوسرے اسباب کی بنا پر عیش و عشرت، غیر ضروری لوازم زندگی کے شدید اہتمام، اسراف، لذّت و خواہش اور فخر و آرائش کے لیے فضول خرچی کی عادت پڑ چکی ہے۔ اس عیش و تنعم اور بیدردی کے ساتھ خرچ کے پہلو بہ پہلو فقر و فاقہ اور عریانی بھی موجود ہے ـــــ جب ایک شخص بڑے بڑے عرب شہروں پر نظر ڈالتا ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں اور سر شرم سے جُھک جاتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ایک طرف وہ آدمی ہے جس کو اپنی ضرورت سے زائد غذا، لباس کا مصرف نظر نہیں آتا، دُوسری طرف اس کی نگاہ ایسے بدوی پر پڑتی ہے جس کو ایک روز کا کھانا اور ستر پوشی کے لیے کپڑا بھی نصیب نہیں جبکہ عرب کے اُمراء و اصحابِ ثروت ہوا سے باتیں کرنے والی موٹروں پر سرگرم سفر ہوتے ہیں، اُسی وقت چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے بچّوں اور بچیوں کی ایک فوج سامنے آتی ہے جن کا لباس تار تار ہوتا ہے جو ایک پیسہ کے لیے ان کی موٹروں کے ساتھ دوڑنے لگتی ہے۔

جب تک عرب ملکوں میں فلک بوس محلوں، بہترین کاروں کے ساتھ ساتھ حقیر جھونپڑیاں اور تنگ و تاریک مکانات نظر آئیں گے، جب تک تخمہ و فاقہ ایک شہر میں شباب پر ہوگا اُس وقت تک کمیونزم کے لیے دروازے کھلے ہوئے ہیں، ہنگامے، جھگڑے ہونا لازمی ہیں، کوئی پروپیگنڈا اور طاقت اس کو روک نہیں سکتی۔ وہاں اگر اسلامی نظام اپنے جمال و اعتدال کے ساتھ قائم نہیں ہوگا تو تعزیرِ خداوندی کے طور پر اور ردِّ عمل کے طریقہ پر اس کی جگہ ایک ظالم و جابر نظام کا قائم ہونا ضروری ہے۔

تجارت اور مالی نظام میں خودمختاری

عالم اسلامی کی طرح عالم عربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تجارت، مالیات، صنعت وحرفت اور تعلیم میں پورے طور پر آزاد اور خودکفیل ہو، وہاں کے رہنے والے انہیں چیزوں کا استعمال کریں جو ان کی زمین کی پیداوار اور ان کی صنعت ومحنت کا نتیجہ ہوں، زندگی کے ہر شعبہ میں وہ مغرب سے مستغنی ہوں۔ اپنی تمام ضروریات، مصنوعات، غذا، لباس، ہتھیار، مشینیں، آلاتِ حرب کسی چیز میں وہ غیر کے دستِ نگر اور مغرب کے پروردۂ رحمت اور نمک خوار نہ ہوں۔

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ عالم عربی اگر بعض ناگزیر حالات کی بنا پر مغرب سے جنگ کرنا چاہے تو وہ اس لیے جنگ نہیں کر سکتا کہ وہ اس کا مقروض اور اس کی امداد کا محتاج ہے۔ جس قلم سے وہ مغرب کے ساتھ معاہدہ پر دستخط کرتا ہے وہ قلم بھی مغرب ہی کا بنا ہوا ہے، اگر وہ مقابلہ کرتا ہے تو میدانِ جنگ میں اسی گولی کو استعمال کرتا ہے جو مغرب کے کارخانہ کی تیار شدہ ہے۔ عالم عربی کے لیے یہ ایک بڑی ٹریجڈی ہے کہ وہ اپنے دولت کے ذخیروں اور قوت کے سرچشموں سے خود فائدہ نہ اٹھا سکے، زندگی کا خون اس کو فائدہ پہنچانے کے بجائے اسی کی رگوں سے دوسروں کے جسم میں پہنچتا ہو، اس کی فوجوں کی ٹریننگ مغرب کے ایجنٹ اور فوجی افسران کے ہاتھ میں ہو اور حکومت کے دوسرے شعبے بھی انہیں کے سپرد ہوں۔ عالم عربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ضروریات کا خودکفیل ہو، تجارت و مالیات کی تنظیم، درآمد برآمد، قومی صنعت، فوج کی ٹریننگ اور شعبوں اور آلاتِ حرب کی تیاری پر اس کا مکمل قبضہ ہو۔ ایسے اشخاص کی تربیت کی جائے جو حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں اور سرکاری فرائض پوری واقفیت، فنی مہارت، دیانت اور خیرخواہی کے ساتھ انجام دیں۔

انسانیت کی سعادت کیلئے عربوں کی ذاتی قربانی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس وقت ہوئی جب کہ انسانیت کی شقاوت و بدبختی انتہائی حد کو پہنچ چکی تھی۔ اس وقت انسانیت کی اصلاح کا مسئلہ ان افراد کی دسترس سے باہر تھا جن کی زندگی ناز ونعمت میں بسر ہو رہی تھی اور جو محنت ومشقت کے برداشت کرنے اور مالی وجانی نقصانات کو جھیلنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اور جن کے لیے ہمہ وقت عیش ونشاط کا سامان موجود تھا۔ اس وقت انسانیت کو ایسے افراد درکار تھے جو انسانیت کی خدمت میں اپنے مستقبل کو قربان کر سکتے تھے اور منافع سے دستبردار ہو کر اپنے جان ومال، عیش وآرام اور اپنے تمام دنیاوی مفاد کو خطرات ومشکلات کے مقابلہ میں پیش کر سکتے تھے، ان کو اپنے پیشہ وتجارت کی کساد بازاری اور کسی طرح کے مالی نقصان وخطرات کی پرواہ نہ تھی، جن کو اپنے آباؤ اجداد، اپنے دوستوں اور قرابتمندوں کی قائم کی ہوئی امیدوں پر پانی پھیر دینے میں تامل نہ تھا، صالح علیہ السلام کی قوم نے جو کچھ ان سے کہا تھا وہی ان تعلق والوں کی زبان پر بھی جاری ہوتا۔

قَالُوا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا

اے صالح! تم سے تو ہماری بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔

جب تک دُنیا میں ایسے مجاہد تیار نہ ہوں اُس وقت تک انسانیت کا بقاء، استحکام اور کسی اہم دعوت کا کامیاب ہونا ناممکن ہے۔ یہ کردار رکھنے والے گنتی کے چند افراد جو دنیا کی اصلاح میں محروم اور کوتاہ قسمت سمجھے جاتے ہیں انہیں کی بلند ہمتی اور جذبۂ قربانی پر انسانیت کی فلاح و کامرانی اور عیش و شادمانی کا دار و مدار ہے۔ وہ چند افراد جو اپنی جان کو مصائب میں ڈال کر ہزاروں بندگانِ خدا کے ابدی مصائب سے بچنے کا سبب بنتے ہیں اور دنیا کے ایک بڑے گروہ کو شر سے خیر کی طرف لاتے ہیں۔ اگر چند افراد کی محرومی و ہلاکت ایک پوری ملت کے لیے خوشحالی اور سرفرازی کا باعث ہو، اور اگر کچھ مال و زر اور تجارت و حرفت کے نقصان اور گھاٹے سے بےشمار اور لاتعداد انسانوں کے لیے دینی و دُنیوی فلاح کا دروازہ کُھلتا ہو تو یہ سودا ہر طرح سستا ہے۔

جب اللہ تعالےٰ نے حضرت نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو وہ جانتا تھا کہ رُوم و فارس اور دُنیا کی متمدن قومیں جن کے ہاتھ میں اس وقت عالم کی باگ ڈور ہے ہرگز اپنے عیش و نشاط کو نہیں چھوڑ سکتیں، وہ اپنی ناز پروردہ زندگی کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتیں، وہ بےیار و مددگار انسانیت کی خدمت، دعوت و جہاد کے لیے مصائب و آلام کے برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتیں، اُن کے اندر اتنی استطاعت ہرگز نہیں کہ اپنی پُرتکلف زندگی اور زیب و زینت کا ایک معمولی سا جُز بھی قربان کریں۔ ان میں ایسے لوگ بالکل مفقود تھے جو اپنی خواہشات پر قابو رکھتے ہوں، اپنی حرص و طمع کو روک سکیں، اور جو تمدن کے لوازم اور فیشن کی پابندی سے بےنیاز ہو کر واجبی گذران پر اکتفاء کر سکیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے پیغام اور نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لیے ایسی قوم کا انتخاب فرمایا جو دعوت و جہاد کے بوجھ کو اٹھا سکتی تھی اور ایثار و قربانی کے جذبہ سے بھرپور تھی۔ یہ وہی عربی قوم تھی جو طاقتور، سادہ منش اور جفاکش تھی، جس پر مصنوعی تمدن کا کوئی وار کارگر نہ ہُوا اور دنیا کی رنگینیوں کا کوئی جادو نہ چل سکا، یہی لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ ہیں جو دل کے غنی، علم سے بھرپور اور تکلفات سے کوسوں دُور تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عظیم الشان دعوت کو لے کر اٹھے اور آپؐ نے جد و جہد و جانفشانی کا حق پوری طرح ادا کر دیا، اس دعوت کو ہر اس چیز پر ترجیح دی جو آپ کے لیے رکاوٹ کا سبب بن سکتی تھی، آپؐ خواہشات سے بالکل کنارہ کش تھے، دنیا کی دلفریبیوں کا آپؐ پر کوئی جادو نہ چل سکا، یہی وہ چیز تھی جو دنیا کے لیے اُسوۂ حسنہ اور راہنما بنی۔

جب قریش کے وفد نے آپؐ سے اس سلسلہ میں گفتگو کی اور آپؐ کے لیے وہ تمام چیزیں پیش کیں جو ایک نوجوان کے دل کو فریفتہ اور نفسیات رکھنے والے انسان کو خوش کر سکتی تھیں۔ مثلاً حکومت و ریاست، عیش و عشرت، دولت و ثروت، تو آپؐ نے ان تمام چیزوں کو بےتامل ٹھکرا دیا۔ اسی طرح جب آپ کے چچا نے گفتگو کی اور چاہا کہ

آپؐ کو اس دعوت کے پھیلانے اور اس میں حصہ لینے سے روک دیں، تو آپؐ نے صاف صاف فرما دیا کہ "اے چچا! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور میرے بائیں ہاتھ میں چاند لاکر رکھ دیں جب بھی میں اس کام سے باز نہیں آسکتا اور اُس وقت تک کوشش کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس دعوت کو غالب نہ کردے یا میں خود اس سلسلہ میں کام نہ آجاؤں" —— یہی جدوجہد اور قربانی، دنیا کی نفع اندوز ذہنیت سے بے تعلقی اور پُرمسرت زندگی کے مقابلہ میں تکلیف و مشقت کی زندگی کی ترجیح اہلِ دعوت کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک نمونہ اور اُسوہ بن گیا۔ آپؐ نے اس سلسلہ میں اپنے اوپر تمام عیش و آرام اور راحت و آسائش کے دروازے بند کرلیے۔ خود اپنے ہی اوپر نہیں بلکہ اپنے پورے خاندان، اہل بیت اور تمام عزیزوں کو بھی عیش و عشرت کے مواقع سے مستفید ہونے کا موقع نہیں دیا۔ وہی لوگ جو آپ سے زیادہ قریب و عزیز تھے زندگی کے عیش و راحت میں انہیں کا حصہ سب سے کم تھا اور [illegible] قربانی میں وہ سب سے آگے رکھے گئے تھے۔ جب آپ کسی چیز کی حرمت کا ارادہ کرتے تو اس کی ابتدا اپنے قبیلہ اور اپنے ہی لوگوں سے کرتے، اور جب کسی حق کی باری آتی یا کوئی نفع پہنچانا ہوتا تو دوسرے لوگوں سے شروع کرتے اور بسا اوقات آپ کے قرابت دار اور قبیلہ والے اس سے محروم ہی رہ جاتے۔

آپؐ نے جب سودی کاروبار ختم کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے کاروبار کو مٹایا اور ان کے تمام سودی منافع کو ختم کردیا۔ اسی طرح جب جاہلیت کے انتقامات و مطالبات کو باطل کرنے اٹھے تو ربیعہ بن حارث ابن عبدالمطلب کے خون کو پہلے باطل کیا۔ اور جب آپ نے زکوٰۃ کا قانون جاری فرمایا، (جو درحقیقت ایک بہت بڑی مالی منفعت ہے اور تاقیامت باقی رہنے والی چیز ہے) تو آپ نے اپنے قبیلہ بنی ہاشم کے لیے اس کو قیامت تک کے لیے حرام کردیا۔ فتح مکہ کے دن جب حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے بنی ہاشم کے لیے سقایتِ زمزم کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ کی کلید برداری کا مطالبہ کیا تو آپؐ نے شدت سے انکار فرمایا، اور عثمان بن طلحہؓ کو بلاکر خانہ کعبہ کی کنجی اُن کے سامنے رکھ دی اور فرمایا کہ اے عثمان! دیکھو یہ تمہاری کنجی ہے تم اس کو لو، آج احسان اور وفا کا دن ہے اور اب یہ تمہارے خاندان میں ہمیشہ رہے گی، کوئی اس کو تم سے نہیں لے سکتا، اِلّا یہ کہ کوئی ظالم اس کی جرأت کرے —— آپؐ نے ازواجِ مطہرات کو زہد و قناعت اور روکھی پھیکی زندگی گذارنے کی ترغیب دی اور صاف صاف فرمایا کہ اگر تم فقر و فاقہ کی زندگی گذارنے کے لیے آمادہ ہو تو میری رفاقت اختیار کرسکتی ہو ورنہ ناز و نعمت و راحت کے ساتھ تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتیں، اور اس وقت آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھ کر سنایا:-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ

اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرمادیجیے کہ تم اگر دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ متاع

أُمَتِّعْكُنَّ وَ أُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝	دے دوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں اور
وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ	اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت
الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ	کو، تو تم میں سے نیک کرداروں کے لیے اللہ تعالےٰ نے
أَجْرًا عَظِيمًا ۝	اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

لیکن اس انتخاب میں آپ کے گھر والوں نے اللہ اور رسول ہی کو اختیار کیا ــــ اسی طرح حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے جب سنا کہ آپ کے پاس کچھ غلام و خادم آئے ہیں اور جب کہ ان کے ہاتھوں میں چکی چلانے سے گٹے پڑ گئے تھے، آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں کہ یا رسول اللہ مجھے بھی ایک خادم عنایت فرما دیجئے تاکہ میں کچھ آرام حاصل کر سکوں تو آپؐ نے ان کو تسبیح و تحمید کی وصیت فرمائی اور کہا کہ تمہارے لیے یہ چیز خادم سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ یہی معاملہ آپ کا اپنے تمام قریبی رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ تھا اور جو جتنا ہی قریب ہوتا جاتا اُسی قدر اس کی ذمہ داری بڑھتی جاتی۔

مکہ کے لوگ جب ایمان لائے تو اُن کی اقتصادی زندگی کا نظام درہم برہم ہو گیا، ان کی تجارت کساد بازاری کا شکار ہو گئی اور بعض اپنے راس المال سے بھی محروم ہو گئے تھے جس کو انہوں نے اپنی زندگی میں جمع کیا تھا، ان میں ایسے بھی ایمان لانے والے تھے جو راحت و آرام کے سامان اور آرائش و زینت کے اسباب بھی ختم کر چکے تھے حالانکہ پہلے ان کی امتیازی شان یہی تھی کہ وہ زینت و آرائش کے دلدادہ تھے۔ اسی طرح اس دعوت کے پھیلانے اور راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے سلسلہ میں بہتوں کی تجارت برباد ہو گئی اور کتنے اپنے آبائی دولت کے حصوں سے محروم ہو گئے۔

اسی طرح جب آپ نے مدینہ منوّرہ ہجرت فرمائی اور انصار نے آپ کا ساتھ دیا تو اس کا اثر ان کے کھیتوں، ان کے باغات پر پڑا مگر باایں ہمہ جب انہوں نے اپنا کچھ تھوڑا سا وقت ان کی نگہداشت کے لیے چاہا تو اس کی اجازت نہیں ملی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو متنبہ کیا گیا۔ ارشاد ہوا:۔

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ	اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت
إِلَى التَّهْلُكَةِ۔	میں نہ ڈالو۔

یہی حال عرب اور ان تمام لوگوں کا ہوا جو اس دعوت سے متاثر اور اس پر عمل پیرا ہوئے۔ چنانچہ جہاد کی مشقت اور جان و مال کے خسارہ میں ان کا اتنا بڑا حصہ تھا جو دنیا کی کسی قوم کے حصہ میں نہیں آیا، اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے:۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَ	آپ کہدیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور

اخوانکم وازواجکم وعشیرتکم و اَمْوَالُ نِ اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم مّن اللہ ورسولہٖ وجہاد فی سبیلہٖ فتربصوا حتّٰی یأتی اللہ بامرہٖ وَاللّٰہُ لَا یہدی القوم الفٰسقین ○
(سورۃ آیت ــ)

تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جس کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجدے اور اللہ تعالےٰ بے حکمی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

دوسری جگہ فرمایا:۔

ماکان لاھل المدینۃ ومن حولھم من الاعراب ان یتخلفوا عن رسول اللہ ولا یرغبوا بانفسھم عن نفسہٖ۔
(التوبۃ رکوع ۱۵)

مدینہ کے باشندوں کو اور ان اعرابیوں کو جو اس کے اطراف میں بستے ہیں لائق نہ تھا کہ اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دیں اور پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ بات لائق تھی کہ اس کی جان کی پرواہ نہ کرکے محض اپنی جانوں کی فکر میں پڑ جائیں۔

اس لیے کہ انسانی سعادت کی عمارت انہیں لوگوں کی قربانیوں کے ستونوں پر قائم ہونے والی تھی اور حالات کی تبدیلی میں صرف اسی بات کا انتظار تھا کہ یہ مہاجرین و انصار اپنے کو مٹا کر انسانیت کی سرسبزی اور قوموں کے ہدایت وفلاح کا فیصلہ حاصل کریں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ (البقرہ ۱۵۵)

ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کچھ نہ کچھ خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی اور نقصان کے ساتھ۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ○

کیا لوگ اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی۔

اگر عرب اس سرفرازی کو قبول کرنے سے ہچکچاتے اور انسانیت کی اس عظیم خدمت میں تردد سے کام لیتے تو بدبختی اور عالم کے فساد کی مدت اور بڑھ جاتی اور جاہلیت کی تاریکی بدستور دنیا پر چھائی رہتی۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:۔

اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ

اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ پیدا ہوگا اور

وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ه (الانفال - ع ۱۰) بڑی ہی خرابی پھیلے گی۔

چھٹی صدی عیسوی میں دنیا ایک دوراہہ پر کھڑی تھی۔ اس وقت دو ہی راستے تھے، یا تو عرب کے لوگ اپنے جان و مال، آل اولاد اور تمام محبوب چیزوں کو خطرہ میں ڈال کر آگے بڑھ جاتے اور دنیا کی ترغیبات سے کنارہ کش ہو کر اجتماعی مصلحت کی راہ میں اپنا سارا سرمایہ قربان کر دیتے جب دنیا کو سعادت نصیب ہوتی اور انسانیت کی قسمت بدلتی، جنت کا شوق ابھرتا اور ایمان کی ہوائیں چلتیں، یا پھر وہ اپنی خواہشات و مرغوبات اور اپنی انفرادی لذت و عیش کو انسانیت کی سعادت و فلاح پر ترجیح دیتے تو ایسی صورت میں دنیا گمراہی و بدبختی کے دلدل میں پھنسی رہ جاتی اور غفلت و مدہوشی کے عالم میں پڑی رہتی، لیکن اللہ تعالٰے کو انسانیت کی بھلائی منظور تھی اس لیے عربوں میں اس نے ولولہ پیدا کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اندر ایمان و ایثار کی روح پھونک دی اور ان کو آخرت اور اس کے بے پایاں ثواب کی ترغیب دی تو انہوں نے اپنے آپ کو انسانیت پر قربان کرنے کے لیے پیش کر دیا اور اللہ کے ثواب اور نوع انسانی کی سعادت کی امید میں انہوں نے دنیا کے تمام عیش و آرام سے آنکھیں بند کر کے اپنے جان و مال کو اللہ کے راستے میں جھونک دیا اور ان تمام چیزوں کو تج دیا جن پر لوگ حریصانہ نظریں اٹھاتے ہیں، انہوں نے پورے خلوص اور صداقت کے ساتھ راہ خدا میں جانیں دیں اور محنتیں کیں تو اللہ نے اُن کو دنیا اور آخرت کے بہتر اجر سے نوازا۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (اور اللہ محسنین سے محبت رکھتا ہے)

آج دنیا ہٹ ہٹا کر پھر اسی نقطہ پر پہنچ گئی ہے جس پر وہ چھٹی صدی عیسوی میں تھی، یہ عالم پھر اسی دوراہہ پر نظر آ رہا ہے جس دوراہہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تھا، آج اس کی ضرورت ہے کہ عرب قوم (جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق خاص ہے) میدان میں نکل آئے اور پھر دنیا کی قسمت بدلنے کے لیے جان کی بازی لگائے اور اپنی تمام آسائش و ثروت، دنیا کی نعمتوں، ترقی و خوشحالی کے امکانات اور اپنے سامان راحت کو خطرہ میں ڈال دے تاکہ دنیا اس مصیبت سے نجات پائے جس میں وہ مبتلا ہے اور زمین کا نقشہ بدل جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عرب بدستور اپنے حقیر اغراض اور ذاتی سربلندی و ترقی، عہدہ و منصب، تنخواہوں کی بیشی، آمدنی کے اضافہ اور کاروبار کی ترقی کی فکر میں رہیں اور سامانِ عیش اور اسباب راحت کی فراہمی میں مشغول رہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا اسی زہریلے تالاب میں غوطہ زن رہے گی جس میں وہ صدیوں سے ہلاک ہو رہی ہے۔ اگر اچھے اچھے ذہین عرب نوجوان بڑے بڑے شہروں میں خواہشات کے غلام بن کر بیٹھے رہیں، اور اگر ان کی زندگی کا محور صرف مادہ اور معدہ ہو اس کے علاوہ ان کی کوئی اور فکر نہ ہو، اور ان کی تمام جد وجہد صرف اپنی ذاتی زندگی اور اپنی مرفہ الحالی کے گرد چکر لگا رہی ہو تو ایسی صورت میں انسانی سعادت کا تصور بھی مشکل ہے ۔ بعض جاہل قوموں کے نوجوان ان سے زیادہ حوصلہ مند تھے اور ان کا ذہن ان سے کہیں زیادہ بلند تھا، جبکہ انہوں نے

اپنے پسندیدہ مقاصد کی راہ میں اپنی تمام راحت و آرام اور اپنے مستقبل تک کو قربان کر دیا۔ جاہلی شاعر امراء القیس ان سے کہیں زیادہ باہمت تھا کہ کہتا ہے ؎

ولو اننی اسعی لادنی معیشۃ　　کفانی ولم اطلب قلیلاً من المال

ولکنما اسعی لمجد مؤثل　　وقد یدرك المجد المؤثل امثالی

(ترجمہ) "اگر میں کسی ادنی زندگی کے لیے کوشش کرتا ہوتا تو مجھے تھوڑا سا مال بھی کافی ہوتا اور اس کے لیے ایسی جد و جہد کی ضرورت نہ ہوتی۔

لیکن میں تو ایسی عظمت کا طالب ہوں جس کی جڑیں مضبوط ہوں اور مجھ جیسے آدمی ہی ایسی عظمت کو حاصل کر لیتے ہیں"

دنیا کی سعادت و کامرانی کی منزل تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان نوجوان اپنی قربانیوں سے ایک پل تعمیر کریں، اس پل پر سے گذر کر دنیا بہتر زندگی کی منزل تک پہنچ سکتی ہے۔ زمین کھاد کی محتاج ہوتی ہے لیکن انسانیت کی زمین کی کھاد جس سے اسلام کی کھیتی برگ و بار لاتی ہے، وہ وہی انفرادی خواہش و ہوس ہے جس کو مسلم نوجوان اسلام کا بول بالا کرتے اور اللہ کی زمین میں امن و سلامتی پھیلانے کے لیے قربان کریں۔ آج انسانیت کی افتادہ زمین کھاد مانگتی ہے۔ یہ کھاد راحت و آرام کے مواقع، انفرادی ترقی کے امکانات اور عیش کے اسباب ہیں جن کو مسلمان بالخصوص عرب اقوام قربان کر دینے کا ارادہ کریں۔ چند انسانی جانوں کی جد و جہد اور ان کی قربانیوں سے اگر انسانی گلہ آگ کی راہ سے نکل کر جنت کی راہ پر لگ جاتا ہے تو یہ بڑا سستا سودا ہے۔ اس لیے کہ جو نعمت حاصل ہوگی وہ بہت ہی جنس گراں مایہ ہے اور اس کے لیے جو کچھ قربان کرنا پڑے وہ اس کے مقابلہ میں بہت ہی معمولی اور ارزاں ہے ؎

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

عالمِ اسلامی کی توقع عالمِ عربی سے عالمِ عربی اپنی خصوصیات، محلِ وقوع اور اپنی سیاسی اہمیت کی بنا پر اسلام کی دعوت کی ذمہ داری اٹھانے کا حقدار ہے، وہ یہ کر سکتا ہے کہ عالمِ اسلامی کی قیادت کا بیڑا اٹھائے اور مکمل تیاری کے بعد یورپ سے آنکھیں ملا سکے اور اپنے ایمان، دعوت کی طاقت اور خدا کی نصرت سے اس پر غالب آجائے اور دنیا کو شر سے خیر کی طرف، تباہی و بربادی سے امن و سلامتی کی طرف لے آئے یا جس طرح مسلمانوں کے قاصد نے یزدگرد کی مجلس میں کہا تھا۔

"انسانوں کی پرستش سے نکال کر خدائے واحد کی پرستش میں، دنیا کی تنگی سے اس کی کشادگی میں

اور مذاہب کی نا انصافی سے نکال کر اسلام کی عدل گستری میں داخل کرے "

عالم انسانی عالم اسلامی کی طرف اپنے نجات دہندہ کی حیثیت سے دیکھ رہا ہے اور عالم اسلامی عالم عربی کی طرف اپنے لیڈر اور رہبر کی حیثیت سے نظریں اٹھائے ہوئے ہے۔ کیا عالم اسلامی عالم انسانی کی توقع کو پورا کر سکتا ہے، اور کیا عالم عربی عالم اسلامی کے سوالوں کا جواب دے سکتا ہے؟ عرصہ سے مظلوم انسانیت اور برباد شدہ دنیا اقبال رح کے پُر درد الفاظ میں مسلمانوں سے فریاد کر رہی ہے، اس کو اب بھی یقین ہے کہ جن مخلص ہاتھوں نے کعبہ کی تعمیر کی تھی وہی دنیا کی تعمیرِ نو کا فرض انجام دے سکتے ہیں ؎

ناموس ازل را تو امینی تو امینی　　　دارائے جہاں را تو یساری تو یمینی!
اے بندہ خاکی تو زمانی تو زمینی　　　صہبائے یقیں درکش و از دیر گماں خیز
از خواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز

فریاد ز افرنگ و دل آویزیٔ افرنگ　　　فریاد ز شیرینی و پرویزیٔ افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیٔ افرنگ　　　معمارِ حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز!
از خواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز

بیان: معروف کمانڈر اوسوال محمد حکیم صاحب — تحریر: مولانا عبدالقیوم حقانی

جہادِ افغانستان

آغاز و پس منظر، موجودہ صورتِ حال، مستقبل کے عزائم

جناب اوسوال محمد حکیم صاحب "حزبِ اسلامی افغانستان" کے معروف کمانڈر کوہ صافی (دہ سبز) کے محاذِ جنگ کے سربراہ اور "حزبِ اسلامی افغانستان" کے امیر جناب مولانا محمد یونس خالص (فاضلِ حقانیہ) کے خصوصی رفیقِ کار ہیں۔ موصوف تین ماہ مسلسل محاذِ جنگ پر دشمنوں سے برسرِ پیکار رہ کر گذشتہ ہفتہ واپس تشریف لائے ـــــ تازہ ترین صورتحال، آغاز و پس منظر اور مستقبل کے عزائم پر موصوف کا روح پرور اور ایمان آفرین انٹرویو پیشِ خدمت ہے۔

سوال: آغازِ جہاد میں جب آپ کے پاس نہ تو اسلحہ تھا اور نہ اسباب اور وسائل، تو دشمن کے ٹینکوں کا مقابلہ کس طرح کرتے تھے؟

جواب: آغازِ جہاد میں بھی اور اب بھی ہماری نظر اور اُمید صرف مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ کی ذات پر رہی ہے۔ آغاز میں بھی وہی کارساز تھا اور اب بھی وہی مسبب الاسباب ہے، تاہم اسباب اور وسائل کی حد تک ہم نے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے کام جاری رکھا۔ جب دشمن کے ٹینک ہم پر یلغار کرتے تھے تو ہم صابن اور پیٹرول کو بوتلوں میں اپنے فنی اصولوں کو ملحوظ رکھ کر ڈال دیتے اور اس کو آگ لگا دیتے اور اسی سے ٹینک کو نشانہ بناتے، اور خدا کے فضل و کرم سے جب تک ٹینک جل کر راکھ نہ ہو جاتا تب تک آگ نہیں بجھتی تھی۔ تاہم اس دور میں صابن اور پیٹرول سے بوتل بھرنا بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ ہم بہت ہی حزم و احتیاط کے ساتھ نہایت ہی مخفی مقامات پر یہ بوتلیں بھرتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب اپنے گھر میں بھی کوئی مسلمان بی بی سی کی خبریں نہیں سن سکتا تھا، حکومت کی گرفت مضبوط اور جکڑ بہت سخت تھی ـــــ آغازِ کار میں ہم ۳۰، ۳۵ رفقاء تھے۔ حضرت مولانا شفیع اللہ شہید ہمارے بزرگ اور

راہنما تھے، بہت اچھے عالم دین اور دارالعلوم حقانیہ کے مشائخ واساتذہ کے عقیدتمند تھے۔ اُن کی سرپرستی اور راہنمائی میں ہم نے اپنے جہادی مہمات کو آگے بڑھایا ــــــ ہم دن کو دیگر لوگوں اور عوام کی طرح اپنے گھروں میں رہتے بھیس بدل کر شہر کے حالات کا جائزہ لیتے اور رات کو مجاہدین کر دشمن کے مراکز پر حملہ آور ہوتے اور یہ دور بہت سخت اور صبر آزما تھا، اپنے بھائی پر بھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا۔

سوال :۔ بندوق اور کلاشنکوف کیسے آپ کے ہاتھ لگی؟

جواب :۔ جی ہاں! جب ہم نے اپنے مہمات کو قدرے منظم کیا اور اہل اسلام اور افغان ملت کے بزرگوں نے ہمارے مؤقف کو سمجھا تو پھر اپنے مسلمان بھائیوں کے تعاون سے ہم نے گلٹی بندوق، درہ کا مال اور عام مروجہ قومی اسلحہ حاصل کیا، دشمنوں پر اس سے حملہ آور ہوتے اور خدا کے فضل سے جب فتح اور غلبہ حاصل ہوتا تو مال غنیمت میں دشمن کا جدید ترین آتشیں اسلحہ بھی حاصل ہوتا۔

بہرحال ہم نے صابن اور پٹرول کی بوتل سے جہاد کا آغاز کیا تھا اور اب الحمدللہ جدید ترین اسلحہ اور دشمن سے بھرپور مقاومت کی عزت تک اللہ نے پہنچا دیا۔

سوال :۔ جہاد کے صعب ترین حالات اور دشمن کے تسلسل سے حملوں کی وجہ سے کبھی آپ کو مایوسی بھی ہوئی؟

جواب : مسلسل گیارہ سال سے دشمن سے نبرد آزما اور مصروف کار ہیں۔ اس دوران مشکلات بھی آئیں، خود میرے اپنے مورچہ اور محاذ جنگ میں میری کمان کے نیچے کام کرنے والے قریب ترین ساتھی ڈیڑھ سو سے زائد شہید ہو چکے ہیں، ان کو اپنے ہاتھوں سے دفنایا، مناظر دیکھے مگر بحمداللہ کسی بھی مرحلے اور موقع پر مایوسی نہیں ہوئی اور شوق جہاد کمزور نہیں ہوا۔ ہاں بعض اوقات شدت کی جنگ میں تھکان ضرور محسوس ہوئی، جسمانی تکلیف نے فطری تقاضوں کو ملحوظ رکھا مگر یہ چند لمحوں کی بات ہوتی ہے، ایمانی جذبات اور روحانی کیفیات دائمی رہتی ہیں۔ ہمت جوان ہے اور مسلسل جہاد میں رہنا طبیعت ثانیہ بن چکا ہے۔

سوال :۔ اب آپ نے تین ماہ سبزدہ، کوہ صافی، ولایت کابل کے محاذ جنگ پر گذارے تو کیا کارگذاری رہی؟

جواب :۔ کابل ایئرپورٹ پر ۱۰/۱۵ مرتبہ مضبوط اور مؤثر حملے کیے منظم جہادی مہمات پر بھرپور توجہ دی، ہم نے ہفتہ کے تمام ایام کو جہادی مہموں اور مسلسل جنگ کے سلسلہ میں اپنی ترجیحات اور مقاصد کو ملحوظ رکھ کر ترتیب دیا ہوا ہے جس کی تفصیلات اور روزانہ کی کارگذاری اور مہمات کا تعین قابل افشا نہیں۔ تاہم نجیب حکومت، ایئرپورٹ اور حکومت کی فوجی اہمیت کے مراکز ہمارے اہداف کا نشانہ ہوتے ہیں جس میں الحمدللہ اچھی خاصی کامیابی

حاصل رہی ہے۔

ہمارے محاذِ جنگ سرزدہ کوہِ صافی پر دشمن نے بھرپور حملے کیے، کئی بار یلغار کی مگر بحمد اللہ ہر بار ذلیل ترین شکست کھائی، دشمن کو بھاری جانی مالی نقصان اٹھانا پڑا، بلکہ گذشتہ دنوں جب دشمن نے حملہ کیا تو انہیں مجاہدین کی جوابی کاروائی میں دشمن کیلئے اپنے زخمی اور ہلاک شدگان کو سنبھالنا بھی مشکل ہو گیا اور اب تک ان کے ڈھانچے اور لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔

ہمارا محاذ افغانستان کے دارالحکومت کابل سے ۲۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور ہم آٹھ سال سے اس محاذ پر لڑ رہے ہیں۔ روسیوں نے بارہا اس پر یلغار کی، بمباری کی، مکھیوں اور پرندوں کی طرح جہاز آئے مگر خدا کے فضل سے ہم ایک بالشت بھی پیچھے نہ ہٹا سکے۔

سوال: کویت پر عراقی حملے اور خلیج کے بحران کے بارے میں مجاہدین کے تاثرات کیا ہیں؟

جواب: مجاہدین کے جذبات پہلے سے قوی اور یقین میں پختگی آگئی ہے۔ امریکہ جب سے خلیج میں در آیا ہے اور عراق نے جب سے کویت پر ظالمانہ بربریت کی ہے، مجاہدین کے ارادوں اور عزائم میں وسعت آگئی ہے، اب ان کی نظر میں صرف افغانستان کی آزادی پر مرکوز نہیں، وہ روس میں تمام اسلامی ریاستوں کی آزادی سمیت خلیج میں تمام ظالم قوتوں سے جہاد کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ عراق کے ظالمانہ اقدام کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ عربوں کو افغان مجاہدین کی طرح اپنی آزادی اور دفاع کی جنگ خود لڑنا چاہیئے تھا۔

سوال: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحبؒ سے ان کی حیات میں جہادی امور میں آپ حضرات کی ملاقات و مشاورت ہوا کرتی تھی، اس کی کچھ یادیں؟

جواب: ہم جب بھی محاذِ جنگ پر جہاد کے لیے جاتے تو حضرتؒ سے مشورہ کرتے پھر تاریخ کا تعین ہوتا، حضرتؒ سے دعائیں لیتے۔ حضرتؒ گرانقدر مشوروں، مفید آراء کے ساتھ ساتھ روحانی وظائف اور حفاظتی تدابیر سے نوازتے۔ اُن کا ارشاد تھا کہ میں تمہاری مقاومت، بہادری استقامت اور جہادی مہمات پر فخر کرتا ہوں اور اسی کو ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں۔ حضرتؒ ہمارے بہت بڑے سرپرست اور مستجاب دعاؤں کا مرکز تھے، انکی وفات سے پاکستان اور عالمِ اسلام کے علمی حلقوں کو یقیناً بہت بڑا صدمہ ہوا ہے، مگر سب سے بڑا صدمہ ان مجاہدین نے محسوس کیا جو روسی دشمن سے محاذِ جنگ میں برسرِ پیکار تھے۔

سوال: یہ جو چند روز سے آپ کے ہاں مختلف جنگی محاذوں کے کمانڈروں کی میٹنگیں ہو رہی ہیں ان کا کیا پس منظر ہے۔

جواب: اس میں بہت سی باتیں قابلِ افشاء اور قابلِ اشاعت نہیں ہیں، تاہم ہمارا سب کا مرکزی ہدف

قومی وحدت ہے، یہ شوریٰ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔ ہم ایک مضبوط قومی جرگہ تشکیل دے رہے ہیں جو اپنے حقوق کے تحفظ، قومی شوریٰ میں مؤثر کردار، قومی خدمت اور جہادی مہمات کی کامیابی میں مؤثر کردار ادا کرے گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ محاذِ جنگ کی طرح قومی اور علاقائی خدمات اور مسلمانوں کی دنیوی ضروریات کا بھی شرعی حدود کے اندر رہ کر بھرپور تحفظ کیا جائے اور ان کے جائز حقوق کی جنگ لڑی جائے۔ یہ کمانڈروں کی سطح کا مضبوط اور مربوط اتحاد ہے، اس سے مجاہدین کے حوصلے بلند ہوئے۔ دشمن کو اس سے بہت تکلیف ہوئی اور اس اتحاد کی برکت سے فتوحات میں کثرت ہونے لگی۔ اس شوریٰ کی تشکیل میں زیادہ تر مؤثر کام مولانا جلال الدین حقانی کا ہے۔

سوال:۔ موجودہ حالات میں مجاہدین کی پوزیشن کیا ہے؟

جواب:۔ خدا کا فضل ہے مجاہدین کی پوزیشن مضبوط ہے۔ افغان مجاہدین جنہیں سر چھپانے کیلئے جگہ نہیں ملتی تھی، اب ہم افغانستان میں بنجر زمین آباد کر رہے ہیں۔ پہلے ہم جن دشوار گذار راستوں پر خچروں پہ اسلحہ اور سامانِ رسد پہنچاتے تھے اب ہم آسانی ٹراکٹروں اور گاڑیوں میں اسلحہ پہنچاتے ہیں۔ اسی فیصد افغانستان پر مجاہدین کا تسلط ہے۔

سوال:۔ محاذِ جنگ یا جن مقامات پر افغان مجاہدین کا تسلط ہے تو وہاں باہمی تنازعات کس طرح حل ہوتے ہیں؟

جواب:۔ خدا کا فضل ہے کہ محاذ پر جھگڑوں اور باہمی اختلافات کے مواقع کم ہوتے ہیں۔ اگر کوئی ایسی صورت پیش آبھی جائے تو وہاں ہمارے علماء ہیں، قاضی ہیں جو قرآن و سنت کی روشنی میں تنازعات کے فیصلے کرتے ہیں۔

جب دشمنوں پر کاری ضرب لگانے کی رائے پر اتفاق ہوتا ہے کہ مختلف محاذات کے کمانڈر باہمی اتفاق سے اقدام کرتے ہیں۔ سبز دہ کوہ صافی ہمارا مضبوط مرکز ہے ابتدائے روز سے تاہنوز محاذِ جنگ کے کمانڈروں میں بھرپور اتحاد ہے۔ ہم باہمی تنازعات کے فیصلے بھی وہاں کے اپنے قضاۃ کے حکم کے مطابق کرتے ہیں، البتہ جب کبھی مشکل مسئلہ پیش ہوتا ہے تو اپنی تنظیموں کے اکابر سے استفتاء کرتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

سوال:۔ آپ کے محاذِ جنگ کے معمولات کیا ہیں؟

جواب:۔ ہمارا عام معمول یہ ہوتا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد سارے رفقاء حسبِ توفیق تلاوتِ قرآن کر کے ختم القرآن مکمل کر لیتے ہیں، پھر اپنے امیر کے حکم اور ہدایات کے مطابق دشمن کے ساتھ محاربہ کے لیے اپنی کاروائیاں کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر عصر کے وقت کوئی مہم نہ ہو تو مغرب تک کا وقت تلاوت اور ختم القرآن میں گذرتا ہے ــــ تلاوتِ قرآن، ذکر اللہ اور اللہ کی ذات پر اعتماد کی یہ برکتیں ہیں کہ جب دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے

اور گھتم گھتا محاربہ ہوتا ہے، اس کی اندھا دھند بمباری اور فائرنگ ہوتی ہے تو ہم میں سے ہر ایک یہی سمجھتا ہے کہ اس جنگ میں ہمارا شاید ایک ساتھی بھی زندہ نہ بچا ہو، مگر جب لڑائی کے بادل چھٹتے ہیں تو خدا تعالےٰ کے فضل وکرم سے سب بالاکثر محفوظ ہوتے ہیں۔ اور آپ کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ ہمارے کوہِ صافی کے محاذِ جنگ پر تمام مجاہدین متشرع ہیں، ایک مجاھد بھی ایسا نہیں جس کی داڑھی نہ ہو۔ ہمارے پورے محاذ پر شاید ہی دو آدمی ایسے ہوں جو سگریٹ پیتے ہوں اور وہ بھی چھپ کر۔

سوال:۔ جہادِ افغانستان میں مسلسل دشمن کے حملوں میں اہم معرکہ کب ہوا؟

جواب:۔ سخت حملہ اور معرکے کی لڑائی ژاور کے محاذِ جنگ پر ہوئی جب دشمن نے اپنی پوری قوت ڈال کر یلغار کردی تھی، یہ جنگ ۲۹ دن تک جاری رہی، یہاں کی کمان مولانا جلال الدین حقانی اور دیگر سپہ سالار کر رہے تھے، مجھے بھی اس میں حصہ لینے کی توفیق ہوئی، اس جنگ میں میرے ماموں شاہ محمد صاحب شہید ہوئے۔

سوال:۔ میدانِ کارزار اور شہدائے جہاد کا کوئی ایسا واقعہ جو آپ نے دیکھا ہو اور ایمان کی تازگی کا ذریعہ ہو؟

جواب:۔ خدا کا فضل ہے ہر لحہ حیرت انگیز اور ہر قدم ایمان کی تازگی کا ذریعہ ہے۔ ایک مرتبہ وہ سبز کوہ صافی کے محاذ پر جب شدت کی جنگ ہوئی تو ایک مجاہد ہم سے گم ہوگیا۔ رفقاء نے اس کی بڑی تلاش کی مگر وہ نہ ملا، سب کا خیال یہی تھا کہ دشمن شہید کی لاش کو ساتھ لے گیا ہوگا۔ مگر اس واقعہ کے ۹ دن بعد ہم نے اتفاقاً اس مفقود شہید کی لاش کو پہاڑ کے ساتھ کھڑے ہوئے دیکھا جس کی روح نکل گئی تھی مگر جسم صحیح سالم اور تر و تازہ تھا۔ شہید ہمارے کمانڈر حاجی محمد حکیم کے بھتیجے تھے۔ ساتھیوں نے دیکھا کہ شہید کے اطراف میں بندوق کی آٹھ نو سو گولیوں کے خالی خول پڑے ہوئے ہیں۔ تو اس سے رفقاء نے یہی اندازہ لگایا کہ شہید دشمنوں میں گھر جانے کے باوجود بھی آخری دم تک جوابی فائرنگ کرتے رہے حتّٰی کہ شدید زخمی ہوگئے اور جب انہیں اندازہ ہوگیا کہ اب زندہ رہنا مشکل ہے تو محفوظ پناہ گاہ میں خود پہاڑی کے ساتھ تکیہ لگا کر کھڑے ہوگئے اور اسی حالت میں اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کردی۔

صرف میں ہی نہیں، یہ جو ہمارے ہاں مجاہدین بیٹھے ہیں سب اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔ اس سے مجاہدین کے شوقِ جہاد میں مزید اضافہ ہوا ہے۔

ہمارے منطقہ میں شہداء جہاد کا مشہور قبرستان ہے جسے جوزک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ہمارے پورے علاقہ میں زمین اور پہاڑوں میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں دشمن کی گولی نہ لگی ہو اور جہاں بمباری نہ ہوئی ہو، مگر اس پورے علاقہ میں صرف شہداء کا مدفن "جوزک" ہی ایسا مقام ہے جہاں ہزار بمباریوں کے باوجود

بھی ایک گولی نہ لگی اور کوئی نقصان نہیں ہوا، اس قبرستان میں سارے درخت محفوظ ہیں، درخت محفوظ ہیں اور شہداء کی قبریں بھی محفوظ ہیں۔ علاقہ بھر کے کاریز (کنوئیں) تباہ کر دیئے گئے مگر مقبرۂ شہداء کے کاریز بھی محفوظ ہیں، حالانکہ اس مقبرہ کے ساتھ گاؤں تھا اس کے اثرات اور کھنڈرات تک مسمار کر دیئے گئے ہیں۔

ایک دوسرا واقعہ ہمارے اس دوست (جو سامنے بیٹھے تھے اور انگلیاں کٹی ہوئی تھیں) مولانا میر ہاشم صاحب کا ہے۔ یہ صاحب جہاد کے ایک معرکے میں زخمی ہوئے، شدید زخمی ہوئے، ہاتھوں کی انگلیاں کٹ کر اڑ گئیں، جسم سارا لہولہان تھا، بیہوشی تھی، ساتھیوں نے اسے نڈھال دیکھا اور یہ سمجھے کہ بس چند لمحوں کا مہمان ہے۔ چاروں طرف سے دشمنوں کا غلبہ تھا، گولیوں کی یلغار تھی، ہر ممکن کوشش کے باوجود موصوف کو اٹھا لانے کی کوئی صورت کارگر ثابت نہیں ہو رہی تھی۔ بالآخر زخمی ساتھی کو اٹھا کر ساتھ والی غار میں آہستہ سے رکھ دیا اور خود معرکۂ جہاد میں کود گئے، چار روز تک مسلسل لڑائی ہوتی رہی، ایسے میں اپنے رفقاء کو سنبھالنے کی فرصت کب تھی؟ ــــــ چوتھے روز جب مجاہدین کچھ سنبھلے اور اپنے شہداء کو سنبھالنے لگے تو مولانا میر ہاشم کے پاس بھی پہنچ گئے، تین چار ہزار مجاہدین کا خیال تھا کہ موصوف نے دم دے دیا ہوگا مگر کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اسی غار سے تھوڑی سی اوٹ میں ایک طرف بیٹھے ہیں، اس دوران بارشیں بھی ہوتی رہیں، موصوف کے زخموں میں کیڑے پڑ گئے تھے، پانچ روز تک مجاہدین اس کے وجود سے کیڑے نکالتے رہے۔ موصوف اب بھی خدمتِ علم دین میں مصروف ہیں تعطیلات میں جہاد میں جاتے ہیں ـــ جب خدا چاہتا ہے تو اس طرح محفوظ رکھتا ہے۔

بقیہ ص۵۱ سے ـــ اپنی تسبیح

کے لئے خدائی نعمتوں میں سے ایک اہم نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس حقیقت سے غافل ہونے کی قدرت بخشی ہے ورنہ وہ ہمیشہ حیران و پریشان رہتا۔ اور ہمیشہ موت کے متعلق ہی سوچتا رہتا۔

مجھے زندگی نے یہ سبق بھی دیا ہے کہ کسی نعمت کی قدر و قیمت کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب وہ ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔

اسی طرح یہ سبق بھی ملا ہے کہ میری امیدیں اور تمنائیں اتنی زیادہ نہیں ہونی چاہئیں کہ کسی مقام پر رکنے کا مجھے پتہ ہی نہ رہے۔ جب قسمت مجھے دھوکہ دے جاتی ہے تو میں تھوڑی سی چیز پر ہی اکتفا کر لیتا ہوں۔

مجھے زندگی سے یہ سبق بھی ملا ہے کہ میں ہر روز کچھ نہ کچھ سیکھتا ہوں اور اس تعلم کا سلسلہ اسی وقت ختم ہوگا جب جسم و جان کا رشتہ منقطع ہو جائے گا۔ اور کیا پتہ کہ اگر میں زندہ رہا تو کل کیا سیکھوں گا۔

ابومحفوظ الکریم معصومی

التفسیر المظہری کا ناقدانہ جائزہ

۲۰۔ اب ایک ایسی مثال پیش کی جاتی ہے جس سے خود بغوی سے ان کے اختلاف کی شان نمایاں ہوگی اور پتہ چلے گا کہ اخذ و اقتباس جس سے کوئی مستثنٰی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس میں بھی حضرت قاضی علیہ الرحمہ اپنی عمیق بصیرت کا بھرپور استعمال کہاں تک کرتے ہیں۔

آیت شریفہ (البقرہ ۱۸۷) وابتغوا ما کتب اللہ لکم کی تفسیر میں مختلف اقاویل کے ساتھ بغوی کا قول نقل کرتے ہوئے صاف لفظوں میں حسب ذیل تبصرہ کرتے ہیں۔

قال البغوی قال معاذ بن جبل ابتغوا ما کتب اللہ لکم۔ یعنی لیلۃ القدر۔ قلت وھذا بعید من السیاق[۱۵]

فتح القدیر شوکانی میں یہی تفسیر بحوالہ ابن جریر، ابن المنذر و ابن ابی حاتم حضرت ابن عباسؓ سے اور بحوالہ تاریخ البخاری حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ لیکن مفسر نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔[۱۶] البتہ اس سے پہلے بقدر ایک صفحہ فاصلہ پر سیاق سے بظاہر قریب تر اقوال نقل کرنے کے ساتھ یہ جملہ بھی لکھا ہے۔

"وقیل غیر ذلک مما لا یفیدہ النظم القرآنی۔"[۱۷]

غالباً اس سے اشارہ اسی روایت کی طرف ہے جسے بغوی نے معاذ بن جبل سے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم

نواب علیہ الرحمہ نے فتح البیان میں شوکانی کے الفاظ ایک جگہ سے نقل کرتے ہوئے دوسری جگہ سے روایت کے الفاظ بھی نقل کر دیئے ہیں۔ اور آخر میں شوکانی کا پورا فقرہ یوں جوڑ دیا ہے۔

"وقیل ابتغوا لیلۃ القدر وقیل غیر ذلک مما لا یفیدہ النظم القرآنی"

اسی طرح "لیلۃ القدر" کی اثری و روایتی حیثیت جو شوکانی کی تفسیر میں بصراحت نظر آتی ہے وہ نواب مرحوم کے یہاں ختم ہو گئی اور لیلۃ القدر کا اثر جس پر شوکانی خاموش ہیں از قبیل دیگر اقوال نقل ہو کر رہ گیا ہے ان الفاظ سے نظم قرآنی یا سیاق کی ہم آہنگی کے مسئلہ کی طرف توجہ سرے سے نہیں دی گئی۔ صاحب المظہری

اس بارہ میں بلحاظ قوت نقد و نظر ممتاز نظر آتے ہیں - اس امر کی نشاندہی ابن کثیر نے بھی کی ہے ـ لیکن خاموشی برتی ہے[۱۹]

۳- آیت کریمہ البقرہ ۱۸۶ - واذا سألك عبادی عنی فانی قریب کی شان نزول کے تحت کئی روایتیں ملتی ہیں - ان میں سے ایک بحوالہ بغوی، قاضی صاحب نے نقل کی ہے مگر اس کے ساتھ گہری اور صریح تنقید بھی فرمائی ہے ـ اصل الفاظ ملاحظہ کیجئے ـ

قال البغوی : روی الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس قال قال یہود المدینۃ یا محمد کیف یسمع ربنا دعاءنا وانت تزعم ان بیننا و بین السماء مسیرۃ خمسمائۃ عام وان غلظ کل سماء مثل ذلك فنزلت ھذہ الآیۃ - قلت والظاھر ان تشریف السائل بالاضافۃ الی نفسہ فی قولہ تعالیٰ (واذا سالك عبادی) یابی ان یکون السائل یہودیا متعنتا فی السوال واللہ اعلم[۱۹]	بغوی کا قول ہے ـ کلبی نے ابی صالح سے اور اس نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ مدینہ کے یہودیوں نے کہا تھا - اے محمدؐ ہمارا پروردگار کیسے ہماری دعا سن پاتا ہے ـ جب کہ تم کہتے ہو - ہمارے اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور مزید یہ کہ ہر آسمان کا حجم اسی قدر ہے ـ تب یہ آیت نازل ہوئی ـ میں کہتا ہوں کہ سائل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت دے کر جو شرف اپنے الفاظ (وہ اذا سالک عبادی) میں بخشا ہے وہ کسی سرکش یہودی کے سائل ہونے کی تردید کرتا ہے

ایسی برمحل اور مبصرانہ تنقید کا کہیں اور آپ کو نشان نہیں ملنے کا ـ

نواب علیہ الرحمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے منسوب اس قول یہود کو نقل ضرور کیا ہے ـ لیکن اس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی - لطف یہ کہ متعدد اقوال میں سے کسی کو کسی پر ترجیح دینے کی صورت پر بھی وہ غور نہیں فرماتے جب کہ شوکانی کی فتح القدیر میں اس قول کا سرے سے ذکر نہیں[۲۰]

اس آیت شریفہ میں (فانی قریب) کے معنی مفسرین نے جو بیان کئے ہیں کہ اس سے مراد قربت علمی ہے کہ باری تعالیٰ سے کوئی شے پوشیدہ نہیں - اسے بیضاوی تمثیل قرار دیتے ہیں - کہ افعال عباد اور ان کے اقوال و احوال کا جو کامل علم اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے - اسی کی توضیح قرب مکانی رکھنے والی شے کے حال سے تمثیل کے پیرایہ میں کی گئی ہے -

اس افادہ پر ہمارے قاضی ہندی علیہ الرحمہ قطعاً مطمئن نہیں ہوتے اور بجا طور پر فرماتے ہیں :-

قلت وهذا التاويل منهم مبني على
ان القرب عندهم منحصر في القرب
المكاني والله تعالى منزه عن
المكان ومماثلة المكانيات والحق انه
سبحانه قريب من الممكنات
قربًا لا يدركه بالعقل بل بالوحي
او الفراسة الصحيحة وليس من
جنس القرب المكاني ولا يتصور شرحه
بالتمثيل اذا ليس كمثله شيء و
اقرب التمثيلات ان يقال قربه الى
الممكنات كقرب الشعلة الجوالة
بالدائرة الموهومة فان الشعلة ليست
داخلة في الدائرة للبون البعيد بين
الموجود الحقيقي والموجود في الوهم
وليست خارجة عنها ولا عينها ولا غيرها
وهو اقرب الى الدائرة من نفسها
حيث ارتسمت الدائرة بها
ولا وجود لها في الخارج بل
في الوهم بوجود تلك النقطة
في الخارج والله اعلم ١٢

مفسرین کی اس تاویل کا مبنی یہ ہے کہ ان کے
نزدیک قرب سے صرف قرب مکانی مراد
ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ذات "مکان" سے
منزہ ہے اور مکانیات کی مماثلت سے
بھی منزہ ہے۔ تب حق یہ ہے کہ باری تعالیٰ سبحانہ
ممکنات سے قریب ایسے قرب کے ذریعہ ہے
جس کا ادراک عقل سے نہیں بلکہ وحی اور
فراست صحیحہ سے ہوتا ہے۔ یہ قرب از قبیل قرب
مکانی نہیں ہے۔ اور بذریعہ تمثیل اس کا
بیان متصور نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ وہ (لیس
کمثلہ شیئ) ہے۔ تب قریب ترین تمثیل اس طرح
کہنا ہے کہ ممکنات سے اس کا قرب مانند شعلہ
جوالہ کے قرب کے ہے۔ جو اس شعلہ کو موہوم
دائرہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر یہ شعلہ جوالہ داخل
دائرہ نہیں۔ اس لئے موجود حقیقی اور موجود
فی الوہم کے درمیان بڑا المبا فاصلہ ہے ویسے
یہ شعلہ دائرہ سے خارج بھی نہیں۔ وہ نہ تو
عین دائرہ ہے نہ غیر دائرہ اور وہ دائرہ سے
قریب تر بھی ہے بہ مقابلہ اپنی ذات کے۔
اس لئے کہ دائرہ اس سے مرتسم ہوتا ہے حالانکہ
دائرہ کا وجود خارج میں نہیں بلکہ وہم میں ہے
بہ سبب اس نقطہ کے جو خارج میں وجود رکھتا
ہے۔ واللہ اعلم

اس تمثیل سے قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمۃ کی دقت احساس و نظر کا جوہر کھل کر سامنے آتا ہے۔ کہ وہ قاضی بیضاوی کی تمثیل کو من و عن تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے پیدا شدہ وہم تک کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔

اور چاہتے ہیں کہ باری تعالیٰ کی تنزہ شان کا تقاضہ ملحوظ رکھا جائے اور تمثیل میں قرب مکانی کا شائبہ تک نہ رہ جائے۔ ایسا صرف اسی نہج پر چل کر ہو سکتا تھا۔ جو قاضی ہندی نے اپنی قوت فکر سے نکالا اور پھر ایسی تمثیل شعلہ جوالا کی اپنے دائرہ موہومہ سے قربت کی پیش کی ہے۔ جس سے ان کی داعیہ تفہیم کی شدت اور کمال احتیاط کا اندازہ ہوتا ہے۔

۴۔ آیت شریفہ۔ وعلم آدم الاسماء (بقرہ ۳) کی تفسیر قاضی علیہ الرحمہ نے پوری مستعدی کے ساتھ تمام اقاویل کا احاطہ فرماتے ہوئے کسی ایک قول کی تردید کے بغیر اپنے ذوق ووجدان یا گویا فراست صحیحہ کے نتیجہ میں یہ بات کہدی ہے کہ الاسماء سے اسماء الٰہیہ مراد ہیں یہاں اس پوری بحث کا نقل کرنا دشوار ہے۔ لیکن جہاں تک میں نے غور کیا ہے اس تاویل کے سلسلہ میں قاضی علیہ الرحمہ نے تفسیری اصول وضوابط یا آداب مفسرین میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عباسؓ کا اثر (علم اسم کل شیئ حتی القصعۃ والقصیعۃ) کی بھی مناسب توجیہ فرمائی ہے۔ غرض شدت احتیاط کے باوجود جو تاویل شرح وبسط سے پیش فرمائی ہے وہ لائق مطالعہ ہی نہیں بلکہ ان کے تدبر و تفکر کا ثمر شیریں ہے[۴۲] مگر قاضی صاحب کی اس مختار تاویل سے نواب علیہ الرحمہ بہت برہم ہیں فرماتے ہیں۔

وقال فی المظہری: وعندی ان اللہ علم آدم الاسماء الالٰہیۃ کلھا ثم رجح ھذا الکلام طویل وھو غیر راجح مع مافیہ من البعد والتکلف ولم یقل بہ احد من المفسرین ویاباہ ظاھر النظم وسیاقہ[۴۳]

قاضی صاحب کا موقف یہ ہے کہ ہر موقع تفسیر کی اقاویل میں سے کوئی ایک بھی مرفوع نہیں اور ایسی بات بھی نہیں ہے کہ کوئی قول معنی میں مرفوع کے ہو بلکہ یہ سب "تاویلات" تھیں ورنہ اقوال میں اتنا اختلاف نہ ہوتا البتہ قول ابن عباسؓ کو بھی قاضی صاحب نے تاویلات میں شامل کر دیا ہے بس ایک یہی بات کسی قدر احتیاط کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس لحاظ سے کہ قاضی صاحب کی مجوزہ تاویل اور ان اقاویل میں نسبت "تلافی" نہ مجموعی طور پر ہے نہ الگ الگ اکائیوں کی شکل میں، مذکورہ ایراد بھی ختم ہو جاتا ہے۔ ایسی شکل میں قاضی صاحب کا قول گویا اقاویل سابقہ کا "تتمہ یا تکملہ" قرار پا سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ مفسرین میں سے کسی نے وہ بات نہیں کہی جو قاضی صاحب نے کہی ہے۔ مگر یہ اعتراض خود قاضی علیہ الرحمہ نے آپ ہی کیا ہے اور اس کا جواب بھی اطمینان بخش دیا ہے۔ اسی طرح نظم وسیاق سے اس کا میل نہ کھانا تو اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ نیز متقدمین کے متعینہ اقوال کے بارہ میں بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے اور بظاہر اس کا جو جواب ہوگا وہی قاضی مرحوم کے سلسلہ میں بھی تشفی بخش جواب قرار پائے گا۔ بس اتنی بات ضرور ہے کہ ان کا شمار ہم متقدمین میں نہیں کر سکتے۔ اس[۴۴]

میں حافظ ابن کثیر کی نگاہ دور تک گئی ہے۔ اور انہوں نے حضرت انسؓ کی طویل روایت میں سے ، وعلمك اسماء کل شئ فاشفع لنا الی ربك ؎ کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ فدل ھذا علی انه علمه اسماء جمیع المخلوقات ؎ مگر اس کے ساتھ بہ قاعدہ الاہم فالاہم اگر اسماء الٰہیہ کے علم اجمالی کو بھی جوڑ لیا جائے تو بظاہر مانع کیا ہے۔ اور جب منافات نہیں تو قاضی علیہ الرحمہ نے گویا اقوال مفسرین کا تکملہ فراہم کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل فرمائی۔ اسے غیر راجح قرار دینے کے لئے (لم یقل بہ احد) کوئی دلیل نہیں۔ اور خلاف نظم قرآنی بتانا بھی شاید انصاف سے بعید ہے۔ واللہ اعلم

اقتباسات و ملخصات کی مزید پیش کش سے صرف نظر کر کے، اس ظلوم و جہول کی ناقص سمجھ میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ کی تفسیر نویسی اور تفسیر المظہری کی بعض خصوصیتیں جو آسکی ہیں ان کی تلخیص نذر قارئین ہے۔

الف۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے علوم و افادات کی نور آگیں فضا میں مدارج تکمیل طے کرنے والوں میں حضرت قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمہ کی یگانہ ہستی ہر لحاظ سے ممتاز ہے۔ تفسیر قرآن کے سلسلہ میں ان کی نظر کی وسعت اور فکر کی گہرائی میں کسی طرح تنگی و کمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تفسیر نویسی کا سب سے اہم مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ ارشادات ربانی کے سمجھنے میں قاری دشواریوں سے کم سے کم دوچار ہوئے بغیر فائز المرام ہو جائے۔ بجائے اس کے کہ جملہ لسانی و لغوی مباحث و آرا کا دفتر کھول کر سامنے رکھ دیا جائے روایات و آثار کی بھرمار تنقیح و تحقیق کے بغیر کی جائے۔ اور تدبر و فہم قرآن میں ممتاز علماء راسخین کے اقاویل شمار کئے جائیں۔ زیادہ مفید یہ ہوتا ہے کہ متعلقہ آیت کے سلسلہ میں جامعیت کے ساتھ تفسیری وجوہ و اقاویل کا پس منظر ان میں سے قابل ترجیح وجہ و قول کی نشاندہی کے ساتھ آجائے۔ اور خود مفسر کا اختیار کردہ قول و مسلک بھی ترجیحی اسلوب، مدلل پیرایۂ بیان اور پر اعتماد لہجہ میں مذکور ہو۔ اسی طرح قاری کے فہم و بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اس کو خود بھی پرکھنے اور جانچ کرنے کا سلیقہ حاصل ہوتا ہے۔ قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمہ کی کسی رائے سے ہمیں اتفاق ہو یا اختلاف۔ ان کی یہ خصوصیت بہت سارے مفسرین میں ان کو ممتاز کر دیتی ہے کہ وہ جہاں اپنے اختیار کردہ قول پر روشنی ڈالتے ہیں وہاں ان میں بلا کی خود اعتمادی۔ لہجہ و بیان کی صراحت، استدلال نقلی و ذوقی کی متانت، نقد و ایراد میں عارفانہ و فاضلانہ جرأت کی صفتیں برہ تناسب سے ابھر آتی ہیں اور اپنا وزن منوا لیتی ہیں۔ اور یہ وہ بنیادی صفات ہیں جن کی بنا پر ان کا مقام طبقہ علیا کے مفسرین کی صف میں متعین ہوتا ہے۔

ب۔ اس میں شبہ نہیں کہ قاضی صاحب تصوف اور خصوصاً حضرت مجدد کے افکار و آراء سے پوری

طرح آراستہ ہی نہیں بلکہ کا ملاً اسی ماحول کے پروردہ اور بہترین نمائندہ و ترجمان ہیں لہذا جا بجا مناسب موقعوں پر تصوف و صوفیہ کے نقطۂ نظر کا انطباق یا اس سے اکتساب نور یا توجیہات و اشارات صوفیہ کا ذکر درمیان میں آجانا باعث استعجاب نہیں۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ایسے مواقع پر حضرت قاضی علیہ الرحمہ تصوف کے تابع بن کر قرآنی اسلوب کے ظاہری و معنوی حقائق کو پس پشت ڈالنا چاہتے ہیں یا خود تصوف کو قرآن کا تابع قرار دیتے ہیں۔

جہاں تک اس عاجز نے پڑھا اور سمجھا ہے قرآن کے اصل الاصول کی کسی حیثیت کو اس کی حقیقی و فطری جگہ سے گھٹانے کے سلسلہ میں ان کی مبصرانہ احتیاط آڑے آجاتی ہے۔ مثلاً:۔

فخذ اربعة من الطير (بقرہ ۲۶) کی تفسیر میں قاضی بیضاوی کا قول نقل فرما کر اس کی مناسبت سے اپنے ذوقی نقطۂ نظر کی صراحت کرتے ہیں لیکن آخر کلام میں یہ الفاظ بھی ثبت فرماتے ہیں:۔

وھذه کلمات من اهل الاعتبار لا مدخل لها فی التفسیر و الله اعلم ۲۶ (بقرہ ۲۶)

اسی طرح واذ قال ابراهيم رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تؤمن قال بلی و لکن لیطمئن قلبی (البقرہ ۲۶) کے ذیل میں تفسیری مباحث کا خلاصہ بڑی جامعیت کے ساتھ پیش فرمایا ہے اور کہیں کسی پہلو سے ضعف نظر آیا تو اس کی بھی وضاحت فرمائی پھر خاتمہ میں اپنے ذوقی اختیار کی تفصیل اس طرح درج کی ہے کہ اہل ذوق کی تسکین ہو ورنہ خواہ مخواہ عیس کے پتے کوئی بات نہ پڑتی ہو اس کو اختیار ہے کہ قاضی صاحب کی ذاتی پسند کو چھوڑ کر بقیہ افادات سے مستفید ہو۔ اس موقع پر آپ کے یہ الفاظ ملتے ہیں:۔

والتحقیق عندی ما قالت الصوفية العلية ان لاهل الله تعالیٰ فی السلوک مقامات الخ

علی هذا القیاس آیت شریفہ هل ینظرون الا ان یاتیهم الله فی ظلل من الغمام (بقرہ ۲۱۹)

کی تفسیر میں اہل السنہ کا مجمع علیہ قول مفصل طور سے نقل کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:۔

ولاصحاب القلوب فی تلك الآیات سبیل اخر اور اس کو واضح الفاظ میں بیان کرنے کے بعد بحث کا خاتمہ یوں کرتے ہیں وهذا امر من لم یذقه لم یدر ومن دری لا یمکنه التعبیر عنه کما هو بل تختبط افهام السامعین فیفهمون غیر مراده فعلیکم بالسکوت عنه والایمان به ولیس لاحد ان یفسره الا الله ورسوله ؐ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر منصفانہ روش اور کیا ہو سکتی ہے۔

اسی ذیل میں حیاۃ خضر پر قاضی علیہ الرحمہ کا اختیار کردہ قول و استدلال لائق ذکر ہے آپ جانتے ہیں کہ نفس مسائلہ میں خود محدثین کے اندر دو فریق ہیں۔ مگر غلبہ اثبات کرنے والوں کا ہے ۹ ۱۰ قاضی علیہ الرحمہ

باوجود اس کے کہ جامعیت میں بے نظیر ہیں بہ صراحت لفظ و قوت استدلال "حیات خضر" کا انکار فرماتے ہیں ان کے دلائل احادیث صحیحہ و موثوقہ پر مبنی ہیں۔ البتہ اس غلط فہمی کے پھیلنے اور قول اثبات کے غلبہ پانے کے سلسلہ میں انہوں نے جو عقدہ کشائی کی ہے وہ صرف تصوف کا عطیہ ہے فرماتے ہیں :۔

"والظاہران الخضر علیہ السلام لوکان حیا فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما اعتزل عن صحبتہ فانہ کان مبعوثا الی الناس کافۃ۔ ولہذا قال علیہ السلام۔ لوکان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان فی حدیث جابر وسینزل عیسی بن مریم ویقتدی برجل من المسلمین کذا روی مسلم فی حدیث ابی ہریرۃ عن جابر ولا یمکن حلّ ہذا الاشکال الا بکلام المجدد للالف الثانی فانہ حین سئل عن حیاۃ الخضر علیہ السلام ووفاتہ توجہ الی اللہ سبحانہ مستعلما من جوابہ عن ہذا الامر فرأی الخضر علیہ السلام حاضرا عندہ فسالہ عن حالہ فقال انا والیاس لسنا من الاحیاء لکن اللہ سبحانہ اعطی لارواحنا قوۃ نتجسد بہا ونفعل بہا افعال الاحیاء من ارشاد الضال و اغاثۃ الملہوف اذا شاء اللہ وتعلیم العلم اللدنی و اعطاء النسبۃ لمن شاء اللہ تعالیٰ الخ وہذا الکشف الصحیح اجتمع الاقوال وذہب الاشکال والحمد للہ الکبیر المتعال"[30]

خلاصہ بحث یہ ہے کہ حضرت قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں تصوف و کشفیات سے حتی الامکان تعمیری خدمت لینے کی سعی فرمائی ہے وہ شریعت کو طریقت میں گم کر دینے کے حامی نہیں ہیں۔ بلکہ دونوں میں خط فاصل کا لحاظ رکھتے ہوئے حسب موقع کچھ نکتوں کی توضیح و توجیہہ فرماتے ہیں۔

(ج) فہم قرآن کے سلسلہ میں ان کی ایک اصطلاح (الفراسۃ الصحیحۃ الاسلامیہ) کی ہے[31]

ماخذ اس کا بظاہر قرآن حکیم کی وہ بے شمار آیتیں جو تدبر و فکر فی الآیات الالہیۃ کی دعوت دیتی ہیں نیز معنوی حدود میں (اتقوا فراسۃ المومن) کو بھی اہل نقد و نظر محدثین نے حدیث قرار دیا ہے۔ اس کی تشریح مجمع بحار الانوار وغیرہ میں دیکھئے۔ اور یہ وہی قوت فکری ہے جسے "فراست ایمانی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ قاضی صاحب کی مراد غالباً اسی قلبی بصیرت و باطنی نور سے ہے۔ جو مطالب صحیحہ کے ادراک میں معاون ہوتی ہے

اور احتمالات کے دھندلکے میں راجح پہلو کو عیاں کرتی ہے۔

د۔ مجموعی طور پر اس کی تفسیر کی یہ خصوصیت ملحوظ رکھنے کی ہے کہ یہ صرف مختلف مکاتیب فکر و نظر کے اقاویل پیش نظر نہیں کرتی۔ بلکہ تفسیر کی تنقیدی صلاحیتوں کے نو بہ نو پہلوؤں کی انفرادیت اور خاص فضا میں پروردہ و بالیدہ فکر و نظر کی قیمتی ثروت کو نمایاں کرتی ہے۔ وہ بھی اس شان سے کہ روایتی و درایتی دونوں طرز و روش میں مفسر کی وہ ریاضت بڑی حد تک عیاں ہوتی ہے جو اعتدال کی راہ ہموار کرتی اور دکھاتی ہے۔

حواشی:- ۱۔ الیانع الجنی، علی ہامش کشف الاستار (دیوبند) ص ۲۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۱۴

۲۔ اکسیر فی اصول التفسیر، مطبوعہ نظامی پریس کانپور ۱۲۹۱ھ ص ۱۰۳۔ ۳۔ ایضاً

۴۔ فتح البیان ج ۱ ص ۷۔ ۵۔ ایضاً ص ۸۔ ۶۔ المظہری ج ۱ ص ۴۴۔ ۷۔ انوار التنزیل (البقرہ) دیوبند ۱۳۱۱ھ ص ۸۴۔ ۸۔ الکشاف، البقرہ مصر ۱۳۵۴ھ ج ۱ ص ۷۷۔ ۹۔ مدارک التنزیل ج ۱ ص ۴۵

۱۰۔ تفسیر فتح القدیر مصر ۱۳۴۹ھ ج ۱ ص ۴۸۔ ۱۱۔ فتح البیان ج ۱ ص ۱۳۱

۱۲۔ تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، علی ہامش فتح البیان ج ۱ ص ۱۹۳۔ ۱۳۔ مفاتیح الغیب ج ۱ ص ۵۷۱

۱۴۔ شیخ زادہ، سورۃ البقرہ ص ۳۳۱۔ ۱۵۔ المظہری ج ۱ ص ۲۰۴۔ ۱۶۔ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۶۴

۱۷۔ ایضاً ج ۱ ص ۱۶۳۔ ۱۸۔ تفسیر ابن کثیر، علی ہامش فتح البیان ج ۲ ص ۱۰۸۔ ۱۹۔ المظہری ج ۱ ص ۲۰۰

۲۰۔ فتح البیان ج ۱ ص ۲۴۰۔ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۶۱۔ ۲۱۔ المظہری ج ۱ ص ۲۰۱۔ ۲۲۔ المظہری ج ۱ ص ۵۰

۲۳۔ فتح البیان ج ۱ ص ۸۳۔ ۲۴۔ صحیح البخاری ج ۲ ص ۶۴۶۔ ۲۵۔ تفسیر القرآن العظیم، علی ہامش فتح البیان ج ۱ ص ۱۲۵۔ ۲۶۔ المظہری ج ۱ ص ۳۷۳۔ ۲۷۔ المظہری ج ۱ ص ۳۷۱۔ ۲۸۔ المظہری ج ۱ ص ۲۴۹

۲۹۔ ارشاد الساری ج ۱ ص ۲۰۹۔ ۳۰۔ المظہری ج ۶ ص ۶۱۔ ۳۱۔ المظہری ج ۱ ص ۲۴ و ۲۰۱۔ ۳۲۔ مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۱۱۶۔

(نوٹ) اس مقالہ کی پہلی قسط نومبر ۸۵ء کے شمارہ میں شائع ہو چکی ہے۔

قومی خدمت ایک عبادت ہے

اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے

سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے

Safety MILK
THE MILK THAT
ADDS TASTE TO
WHATEVER
WHEREVER
WHENEVER
YOU TAKE
YOUR SAFETY
IS OUR Safety MILK

حضرت مولانا مدار اللہ مدار نقشبندی

بحث و تحقیق

قرآنی آیات کا ترجمہ اور اخبارات

مشہور مصنف، محقق اور عالم ربانی حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی زید فیضہم نے راقم کے نام ایک خط بھیجا ہے جس میں اس امر پر نہایت رنج و افسوس کا اظہار کیا گیا ہے کہ بعض اخبارات قرآنی آیات کا اردو ترجمہ کچھ اس انداز سے شائع کر رہے ہیں گویا یہ ترجمہ مستقل قرآن ہے۔ موصوف نے علالتِ طبع کی بناء پر راقم کو ارشاد فرمایا کہ فقہ حنفی کی روشنی میں اس مسئلے پر محققانہ بحث کر کے اس کے مفاسد واضح کیے جائیں۔ چنانچہ ذیل میں اسی مسئلے کا تحقیقی جائزہ پیش کر رہا ہوں ——— (مدار) ———

قرآن اللہ تعالیٰ کی وہ آخری کتاب ہدایت ہے، جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر عربی زبان میں نازل ہوئی ہے اور اس کی وضاحت متعدد آیاتِ کریمہ میں کی گئی ہے جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی عربی نظم یعنی عربی عبارت کے بغیر کسی عجمی زبان مثلاً اُردو، فارسی وغیرہ میں صرف اس کے ترجمے پر قرآن کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ عربی متن کے بغیر صرف ترجمہ شائع کرنا جائز ہے یا حرام؟

ان دونوں سوالوں کا جواب فقہائے امت نے بڑی وضاحت کے ساتھ دیا ہے اور وہ یہ کہ قرآن کا ترجمہ قرآن کی اصل عبارت کا تابع ہے، اور ترجمے پر قرآن کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اور قرآنی آیات کا صرف ترجمہ شائع کرنا خواہ وہ کتاب کی صورت میں ہو یا اخبارات میں ہو، باجماعِ امت حرام اور ممنوع ہے۔

بعض اخبارات میں قرآنی آیات کا اُردو ترجمہ خبر کے طور پر دوسری خبروں کے ساتھ ملا کر شائع کیا جاتا ہے اور یہ قرآن کی عظمتِ شان کے صریحاً منافی ہے، علاوہ ازیں اخبارات ردی کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں جس سے ترجمۂ قرآن کی شدید بے حرمتی ہو جاتی ہے۔ عجمی زبانوں مثلاً اردو، فارسی، انگریزی وغیرہ میں قرآنِ کریم کا صرف ترجمہ

لکھنا امام اعظم ابوحنیفہؒ اور دُوسرے ائمہ مذاہب کے نزدیک یکساں طور پر حرام ہے، کیونکہ قرآن عربی نظم اور معنیٰ دونوں کا نام ہے۔ "حسامی" اصولِ فقہ میں معتمد کتاب ہے، اس میں قرآن کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے :-

القرآن المنزّل على الرسول المكتوب في المصاحف المنقول عنه نقلاً متواتراً بلا شبهةٍ وهو النظم والمعنیٰ جميعاً في قول العامة العلماء وهو الصحيح من مذهب ابي حنيفةؒ۔
(حسامی ص۲)

قرآن وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہُوا ہے اور مصاحفِ عثمانیہ میں مکتوب ہے اور شک وشبہ کے بغیر متواتر نقل کے ساتھ آپؐ سے منقول ہے اور قرآن نظم اور معنیٰ دونوں کا نام ہے عام علماء کا یہی قول ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی رُو سے یہی صحیح ہے۔

اور "حسامی" کے حاشیہ پر لکھا ہے :-

حرم كتابة المصحف بالفارسية۔
(تعلیم العامی بہامش حسامی ص۲)

فارسی زبان میں یا رسم الخط میں قرآنِ کریم لکھنا حرام ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ نے "اتقان" میں تحریر فرمایا ہے :-

وهل تجوز كتابته بقلم غير العربي قال الزركشيؒ لم ارفيه كلاماً لاحدٍ عن العلماء (الى ان قال) والا قرب المنع۔
(الاتقان ج ۲ ص۱۷۱)

کیا غیر عربی رسم الخط میں قرآن کی کتابت جائز ہے؟ امام زرکشیؒ نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ میں نے اس بارے میں کسی عالم کی تصریح نہیں دیکھی (یہاں تک کہ فرمایا) کہ حق کے زیادہ قریب یہ ہے کہ غیر عربی رسم الخط میں قرآن کے لکھنے کو منع کیا جائے۔

اور علامہ حسن شرنبلالی حنفیؒ کا ایک مستقل رسالہ اس موضوع پر بنام "النفحة القدسية في احكام قراءة القرآن وكتابته بالفارسية" ہے، اس میں مذاہبِ اربعہ حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی مستند کتابوں سے ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ غیر عربی عبارت میں قرآن کا لکھنا حرام ہے، اور اسی طرح غیر عربی رسم الخط میں اس کی کتابت ممنوع اور ناجائز ہے۔

اس رسالہ کے چند جملے اس جگہ نقل کیے جاتے ہیں۔

واما كتابة القرآن بالفارسية فقد نص عليها في كتاب من كتب ائمتنا الحنفية

اور فارسی زبان میں قرآنِ مجید کی کتابت، سو کسی ایک کتاب میں نہیں (بلکہ بہت سی کتابوں میں ہے) جو

المعتمدۃ منہا ما قالہٗ مؤلف الھدایۃ الامام المرغینانی فی کتابہ التجنیس والمزید ما نصّہٗ ویمنع من کتابۃ القرآن بالفارسیۃ بالاجماع لانہٗ للاخلال بحفظ القرآن لانّا اُمرنا بحفظ النظم والمعنیٰ جمیعاً فانّہٗ دلالۃ النبوۃ ولانّہٗ بما یؤدّی الی التھاون بامر القرآن ومنہا ما فی الدرایۃ انّہٗ یمنع من کتابۃ المصحف بالفارسیۃ اشدّ المنع۔
(نفحات القدسیۃ)

ہمارے ائمہ حنفیہ کے نزدیک مستند ہیں، اس کی تصریح موجود ہے منجملہ ان کے وہ ہے جو صاحب ہدایہ امام مرغینانی نے اپنی کتاب تجنیس اور مزید میں فرمایا ہے جس کی عبارت یہ ہے۔ اور فارسی میں قرآن کی کتابت سے باجماع منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ قرآن کی حفاظت میں خلل ڈالنے کا ذریعہ ہے اور اس وجہ سے بھی کہ ہم قرآن مجید کے الفاظ اور معنیٰ دونوں کی حفاظت پر مامور ہیں کیونکہ الفاظ بھی نبوّت کے اثبات کی دلیل ہیں اور الفاظ کے بدلنے سے (اگرچہ معنیٰ نہ بدلیں) قرآن کی حفاظت میں سستی پیدا ہوتی ہے اور منجملہ ان کے وہ ہے جو "معراج الدرایۃ" میں ہے کہ قرآن مجید کو فارسی میں لکھنے سے نہایت سختی سے منع کیا جائے۔

اس کتاب میں آگے مرقوم ہے:۔

وزعم ان کتابتہ بالعجمیۃ فیھا سھولۃ للتعلیم کذب مخالف الواقع والمشاھدۃ فلا یلتفت لذلک علی انّہٗ لو سلّم صدقہٗ لم یکن لاخراج الفاظ القرآن عمّا کتب علیہ واجمع علیہ السّلف والخلف۔
(نفحات القدسیۃ)

اور یہ گمان کرنا کہ عجمی زبان یا رسم الخط میں تعلیم کی سہولت ہے تو یہ غلط اور واقع اور مشاہدہ کے خلاف ہے اس کی طرف التفات نہ کیا جائے، علاوہ ازیں اگر اس کا صحیح ہونا بھی تسلیم کیا جائے تو تب بھی قرآن کے الفاظ کا ان کا اجماعی صورت اور قدیم طرزِ کتابت سے نکالنا اس مصلحت کی وجہ سے جائز نہیں ہو سکتا۔

مذکورہ تقریر میں ان تمام شبہات کا بھی پورا جواب ہے جو رسم الخط یا زبان بدلنے والے حضرات پیش کرتے ہیں کہ اس میں عجمیوں کے لیے قرآن پڑھنے میں سہولت ہے۔ لیکن اول تو سہولت کا یہ خیال غلط ہے اور اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سہولت کی خاطر قرآن میں تغیر و تبدیلی نہیں ہو سکتی اور نہ اس کی خاطر سلف اور خلف کے اجماع کو ردّ کیا جا سکتا ہے۔

اور حنابلہ کے مشہور امام ابن قدامہ کی کتاب "مغنی" کے حواشی میں اس کو اور بھی زیادہ واضح کر دیا گیا ہے کہ جب سے قرآن دُنیا میں آیا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دعوت عجم کے سامنے پیش کی۔ کہیں ایک واقعہ بھی

اس کا مذکور نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عجمیوں کی وجہ سے اس کا ترجمہ کر کے بھیجا ہو یا عجمی رسم الخط میں لکھوایا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب جو ملوکِ عجم یعنی ایران کے کسریٰ اور قیصرِ روم کی طرف بھیجے جن میں سے بعض کے فوٹو بھی چھپ گئے ہیں اور آج تک محفوظ ہیں اور ان کو دیکھا جا سکتا ہے کہ نہ ان میں عجمی زبان اختیار کی گئی ہے اور نہ عجمی رسم الخط اختیار کیا گیا ہے ــــ حواشی مذکورہ کے چند جملے یہ ہیں :۔

وهو انّما نزّل باللسان العربي كما هو مصرّحٌ في الآيات المتعددة وانّما كان تبليغه الدعوة الى الاسلام والانذارُ به كما انزل الله تعالىٰ لم يترجم النبيّ صلى الله عليه وسلم ولا اذن بترجمة ولم يفعل ذٰلك الصحابةؓ ولا الخلفاء المسلمين وملوكهم ولو كتب النبيّ صلى الله عليه وسلم الى كسرىٰ وقيصر ومقوقس بلغاتهم لصحّ التعليل الذى علل به۔ (مغنى مع الشرح الكبير ج ۱ ص۵۴۳)

اور قرآن عربی زبان میں نازل ہوا جیسا کہ قرآن کی متعدد آیتوں میں تصریح ہے اور اسی عربی زبان میں قرآن کی تبلیغ اور دعوت و انذار عمل میں آیا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو اس کا ترجمہ کر کے نہیں پہنچایا اور نہ حضرات صحابہؓ نے ایسا کیا اور نہ خلفائے اسلام اور نہ سلاطینِ اسلام نے ایسا کیا اور اگر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر و کسریٰ اور مقوقس کے نام اپنے خطوط کو ان کی ہی زبانوں میں لکھوایا تو یہ دلیل صحیح مانی جا سکتی تھی کہ عجمی زبانوں میں پہنچانا زیادہ مفید ہے۔ (لیکن ایسا نہیں ہوا۔

مذکورہ مسائل و دلائل سے یہ حقیقت ثابت ہو گئی کہ جس طرح قرآن میں عربی زبان کی حفاظت ضروری ہے اسی طرح کسی عجمی زبان مثلاً انگریزی، فارسی اور اُردو میں عربی متن کے بغیر قرآن مجید کا صرف ترجمہ شائع کرنا قطعاً جائز نہیں، کیونکہ صرف ترجمے پر قرآن کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ ترجمے کی قرأت اور تلاوت جائز ہے۔ اور پھر اخبارات میں قرآنی آیات کا ترجمہ شائع کرنا تو بہت سے مفاسد کا حامل اور قطعاً ناجائز ہے، یہ اُمتِ مُسلمہ کی شدید غفلت ہے کہ انہوں نے اس مسئلے کی طرف توجہ نہیں دی اور یہ فتنہ عام ہوتا جا رہا ہے۔

ہمیں حیرت ہے کہ بعض لوگ عجمی زبانوں یعنی اُردو وغیرہ زبانوں قرآن کے تراجم شائع کرنے کو قرآن کی بہت بڑی خدمت سمجھ رہے ہیں جبکہ اسلامی تعلیمات و ہدایات کی روشنی میں حقیقت یہ ہے کہ وہ قرآن کے ساتھ بڑا ظلم کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اشاعتی اداروں کو یہ توفیق دے کہ وہ اپنے طرزِ عمل کے مفاسد کو سمجھیں اور اس سے اجتناب کریں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

تحریر:- الشیخ محمد الغزالی

ترجمہ:- جناب عبدالحئی ابڑو

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

میں اپنی تسبیحِ روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

زندگی سے مجھے یہ سبق ملا ہے کہ جس چیز کے حصول کی مجھے تمنا ہوئی اور مجھے وہ حاصل بھی ہو گئی تو میں اس سے بے رغبت بھی ہو جاتا ہوں۔

میں اپنے بچپن میں ایک غیر معروف خاندان میں رہتا تھا جسے کسی حد تک سامانِ زندگی پُرسکون طور پر حاصل تھا لیکن وہ بہت زیادہ خوشحال اور آسودہ نہ تھا۔ میری تمنا تھی کہ موجودہ معیارِ زندگی کے مقابلے میں آرام دہ اور اعلیٰ سامانِ حیات مجھے حاصل ہو۔ جو اللہ کی مشیّت سے مجھے حاصل بھی ہو گیا۔ لیکن پھر کیا ہوا؟ جو وسائلِ راحت و عیش مجھے حاصل ہو گئے تھے ان سے میں بے رغبت ہو گیا۔ جس گھر میں میں رہائش پذیر تھا اور آغازِ زندگی میں جس کے حصول کی میں تمنا کیا کرتا تھا اُسے میں ایک عام سی چیز سمجھنے لگا۔ جو میرے لئے کسی سکون و اطمینان کا باعث نہیں بن سکتی۔ جو مال و متاع میں نے پایا اور جس کے متعلق میرا خیال یہ تھا کہ اس سے بڑی راحت و اطمینان حاصل ہوگا اب وہ میری نظر میں ایک حقیر سی چیز تھا جو مرتبہ کو بلند کر سکتا ہے نہ سکونِ نفس کا سامان کر سکتا ہے جو مرتبہ و عزت سے مجھے حاصل ہوئی اور جسے کسی اور کے پاس دیکھ کر مجھے اس کے حصول کی والہانہ تڑپ اور شوق ہوا کرتا تھا وہ اب مجھے ایک بے فائدہ سی چیز محسوس ہوتی تھی۔ جس کی اب میری نظر میں کوئی وقعت نہیں رہی تھی۔ اب میرا یہ یقین پختہ ہو گیا کہ زندگی اس وقت تک ایک بہت ہی حقیر سی چیز ہے جب تک انسان اپنے لئے ایک ایسا بلند مقصد مقرر نہ کر لے جس کے حصول کے لئے وہ جد و جہد کرتا رہے۔ ایک ایسا مقصد جو مادّیت سے بلند ہو اور رہتی دنیا تک قائم و دائم رہے۔ اگر اس مقصد کا کوئی حصہ وہ حاصل کر لے تو اس کا دل خوش ہو جائے اور مزید کی تلاش جاری رکھے۔

زندگی سے مجھے یہ سبق بھی ملا ہے کہ لوگ گھٹیا پن اور خسّت کے گہرے گڑھے اور بلندی کی بہت اونچی چوٹی کی دو انتہاؤں پر ہے۔ ان میں خیر اور شر دونوں پہلو موجود ہیں۔ وہ جتنا گرتے ہیں اتنا ہی بلند بھی ہوتے ہیں۔

میں جب بیس سال کا تھا تو اس وقت مجھے اپنی ہی عمر کے ایک نوجوان سے تعارف ہوا۔ ہمارے درمیان دوستی و محبت کا رشتہ ایک عرصے تک استوار رہا لیکن اچانک اس نے مجھ سے منہ پھیر لیا۔ اس کی اس بے وفائی پر میرا خیال تھا کہ وہ اخلاقی لحاظ سے ایک گھٹیا شخص ہے اور اس کی فطرت ٹھیک نہیں۔ مگر دیکھتے ہی دیکھتے بعض دیگر حالات میں اس نے پاکیزگیٔ نفس اور عالی حوصلگی حاصل کر لی۔ اس نے میدانِ جہاد میں قدم رکھا اور اپنے دین وملت کی خاطر اپنی جان قربان کر دی اور اسے شہادت کی موت نصیب ہوئی۔ اس سے مجھے یہ تجربہ حاصل ہوا کہ لوگ مکمل طور پر نہ شیطانی صفات کے حامل ہیں اور نہ ہی وہ فرشتے ہیں۔ عقلمند وہ ہے جو لوگوں کے ساتھ ان کے حالات کے مطابق نباہ کرتا رہے۔ کسی دوست سے تھوڑی سی تکلیف پہنچنے کی بنا پر بے وفائی نہ کرے اور اس تھوڑے سے زخم و دکھ کی وجہ سے قطعِ تعلق نہ کرلے جو بہت جلد ہی مندمل ہو جائے گا۔

مجھے زندگی نے یہ سبق بھی دیا ہے کہ لوگوں کی قسمتوں میں اپنے حجم وحقیقت سے زیادہ فرق نظر آتا ہے حالانکہ حقیقت میں ان کی خوشیاں اور رنج ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ ہر ایک کی قسمت میں خوشیاں بھی ہیں اور رنج و غم بھی۔ میں ایک شخص کو جانتا ہوں جس کا عیال بڑا ہے اور مالی حالت بھی کمزور ہے۔ اسے دیکھنے والے کو قطعاً یہ گمان نہ ہوگا کہ وہ اپنی قسمت پر شاکی ہے۔ حالانکہ اس کا حال یہ ہے کہ ایک مشقت و تکلیف سے اس کی جان چھوٹتی ہے تو دوسری انتظار میں ہوتی ہے۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ وہ شخص اپنی قسمت پر اتنا ناخوش نہیں جتنا کہ اس کی ظاہری حالت سے مجھے محسوس ہوتا تھا۔ بلکہ وہ تو اس تنگدستی کا عادی بن چکا ہے اور اپنے آپ کو اس نے اس کے مطابق ڈھال لیا ہے۔ اس طرح سے کہ اگر کبھی اچانک اسے کوئی نعمت و راحت ملتی تو اس کی وہ بڑی قدر کرتا اور بہت ہی خوش ہوتا، وہ اسے اس طرح لطف اندوز ہوتا جتنا اس نے پہلے رنج کا مزہ چکھا تھا۔ اس طرح وہ نعمت کو اللہ کا خصوصی احسان اور رنج و تکلیف کو معمول کی بات سمجھ کر قبول کرتا۔

مجھے ایک قابلِ اعتماد دوست نے بتایا کہ مصر کا ایک بہت بڑا سرمایہ دار، جو اپنے ملک کا بہت طاقتور آدمی تھا۔ مرتبہ و مقام، اثر و رسوخ اور حکمرانوں کی قسمت کے فیصلوں پر اثر انداز ہونے کے لحاظ سے بھی وہ معروف تھا۔ یہ شخص اپنی بدقسمتی اور دکھ کا رونا روتے اکثر اوقات تنہا بیٹھ جاتا اور لوگوں سے آنکھیں بچا کر رات کے اندھیرے میں روتا رہتا۔

ایک ایسی خاتون کو میں جانتا ہوں جو ہمیشہ اپنی تنگدستی کا گلہ کرتی رہتی تھی۔ بعد میں اسے اپنے بھائی کا ترکہ ورثے میں ملا۔ اب وہ اس مال و دولت سے نالاں تھی کہ اسے کس مصرف میں لائے۔ اس بنا پر مجھے شرح صدر حاصل ہوا کہ لوگ رنج و تکلیف اور مسرت و راحت میں تقریباً برابر ہیں۔ بظاہر ان کے حالات میں جو فرق

نظر آتا ہے حقیقت میں ایسا نہیں۔ لوگوں کے مابین زمین پر ان کے خیال سے بڑھ کر عدل و انصاف کے اصول کارفرما ہیں۔

مجھے زندگی نے یہ سبق بھی سکھایا ہے کہ میری کامیابی، اپنے اوپر میرے اپنے اور لوگوں کے اعتماد کی مرہون منت ہے۔ خود اعتمادی مجھے کام کرنے پر ابھارتی ہے اور لوگوں کا اعتماد مجھے نتیجہ عمل پر اطمینان دلاتا ہے۔ اعتماد کا یہ توازن زندگی میں کامیابی کے لئے ضروری ہے۔

اگر خود اعتمادی اس مقدار سے بڑھ جائے تو یہ ایک ایسا دھوکہ ہوگا جو حقائق سے بے خبر کر دے گا اور اگر لوگوں پر اعتماد اس حد تک تجاوز کر جائے کہ لوگوں ہی کی رائے اور خواہشات کے مطابق کوئی چلنا شروع کر دے تو یہ ایسی کمزوری اور اضطراب ہوگا جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آدمی دوسروں کا تابع مہمل بن کر رہ جائے گا اور اپنے آپ کو مکمل طور پر دوسروں کے سپرد کر دے گا۔

اس توازن کا میں نے اپنے اندر اور اپنے ارد گرد جائزہ لیا تو مجھے محسوس ہوا کہ بہت سی چیزوں کے لئے یہ ایک نہایت ضروری عنصر ہے۔ اس کا وجود حقیقت پسندی میں بھی ضروری ہے اور تخیل پسندی میں بھی۔ اگر حقیقت پسندی ضروری حد سے تجاوز کر جائے تو یہ جمود اور تنگ نظری کی شکل اختیار کرے گی۔ اور اگر تخیل پسندی میں اضافہ ہو جائے تو یہ عدم استحکام اور حقائق سے دوری ہوگی۔ اسی طرح یہ توازن مادیت اور روحانیت میں بھی ضروری ہے اگر مادیت بڑھ جائے تو یہ جمود و حماقت اور زندگی کی بلند قدروں سے انحراف ہوگا۔ اور اگر روحانیت کے ساتھ اہتمام میں حد سے تجاوز ہو جائے تو یہ زندگی کے مادی حقائق کا سامنا کرنے سے گریز ہوگا۔ اسی طرح لوگوں سے میل جول اور عزلت و گوشہ نشینی میں بھی توازن ضروری ہے۔ لوگوں کے ساتھ زیادہ میل جول رکھنے سے آدمی کی اپنی شخصیت مسخ ہو کر رہ جاتی ہے جب کہ بہت زیادہ عزلت و گوشہ نشینی بھی نقصان دہ ہے جس کی اپنی آفات ہیں۔

اس کے ساتھ یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ اعتدال و توازن کا اس بہترین انداز میں قائم رکھنا انسان کے لئے خاصا مشکل ہے۔ بنیادی چیز یہ ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ایک چیز میں افراط اور دوسری میں تفریط کو کس طرح کم کیا جا سکتا ہے۔

مجھے زندگی نے یہ سبق بھی سکھایا ہے کہ مستقبل سے ایک حد تک غفلت آدمی کو راحت و آرام بخشنے والی چیزوں میں سے ایک ہے۔ میں کسی چیز سے اتنا تنگ نہیں ہوتا جتنا کہ مستقبل کے بارے میں غیر ضروری طور پر سوچنے سے ہوتا ہے۔

یقیناً موت وہ پہلی حقیقت ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا وہی حتمی مستقبل ہے۔ لیکن انسان

(باقی صـ ۳۴ پر)

ادبیات

جناب صوفی عبدالرب صاحب

اُمّتِ مُسلمہ سے رُوحِ ولی اللّٰہی کا خطاب

یہ دیکھ کیوں ہیں تعیّش کے میکدے آباد
نہ پوچھ مسجدِ غرناطہ کیوں ہوئی برباد

یہ دیکھ کس نے بھرا رُوپ آج غیروں کا
نہ پوچھ ذوق میں اسلامیوں کے کیا ہے فساد

یہ دیکھ رسم ورہِ خسروانِ دین کیا تھی
نہ پوچھ ٹوٹ گئی کیوں خلافتِ بغداد

یہ دیکھ سخت ہے کس درجہ بندِ لادینی
نہ پوچھ ہائے مسلمان ہوں گے کب آزاد!

یہ دیکھ کس نے محمدؐ سے بے وفائی کی
نہ پوچھ قومِ مسلمان ہے آج کیوں ناشاد

یہ دیکھ خوار سے مسلم ہے خوار تر کہ نہیں
نہ پوچھ تیز ہے کیوں لہجۂ لَبِا المِرُصاد

یہ دیکھ کون ہے مصداق حرفِ یَلۡبِسَکُمۡ
نہ پوچھ قہرِ خدا نے کسے کیا برباد

جو مٹ رہے ہیں رئیس اُن کی خوابگاہیں دیکھ
نہ پوچھ حشرِ طلسمات جنتِ شدّاد

نہ دل میں شوقِ اطاعت نہ ذوقِ ایمانی
ترے ہوس کی عمارت ہے سخت بے بنیاد

کدھر چلا ہے کدھر راہ ہے کہاں منزل
یہ تیرا وقت! یہ مشکل! یہ سعیٔ لاحاصل!

تری حقیقتِ ہستی ہے دانۂ اسپند
اگر ہو ضبطِ خلیلی تو شُعلہ دے نہ گزند

ہمالیہ سے گذر جائے حدِّ رفعت میں
وہ ذرّہ جس کے تب و تاب میں ہو عزم بلند

کمال جادۂ لا تر کنوا کی منزل ہے
سوال کر نہیں سکتا فقیرِ غیرت مند

زمین سے اپنی اُبھر کر بلند ہو جانا
بس اتنی بات کو کہتے ہیں رفعت الوند

حُسینؓ بن کے ہزاروں حُسین پیدا کر!
اگر یزید کی بیعت تجھے نہیں ہے پسند

مِنیٰ میں آج بھی لگتی ہے چوٹ سی دل پر
کہ یاد آتے ہیں بے طرح وہ اَبّ و فرزند

یہ بات ہوتی ہے پختہ یقین سے پیدا
کہ ناز دیکھ کے دل ہو نیاز کا پابند

توانگری پہ صوابِ عمل نہیں موقوف
خدا سے روٹھ کے تقدیر کا گلہ تا چند

عجیب چیز ہے افلاس مرد مومن کا
یہ ہو تو سہل ہے فقر رسولؐ سے پیوند

گلہ زمانہ کا اسے جان پاک زہر ہے زہر
سمجھ تو فلسفۂ نہی لاتسبوا الدھر

ہوائے صحن چمن لاکھ ہو نشاط انگیز
نہیں وہ ضبط مسلماں جو توڑ دے پرہیز

ہوئی جو بارش مے جام اُلٹ دیا میں نے
مرا پیالہ کبھی ہو نہیں سکا لبریز

متاع لذّت آہ سحر گہی مت کھو
بہت کم اُرز ہے اقلیم خسرو پرویز

تجھے یہ سیر گل و غنچہ سازگار نہیں
اگر ہے ذوق دکھا سوز رُومی و تبریز

اگر پسند نہیں تجھ کو گردش ایام
تو کیوں نہ اُٹھ کہ ہویدا ہو کوئی رستاخیز

عجیب عقدہ کیا وا "حکیم مشرق" نے
"زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز"

کسی سے پوچھ طریق صلاح کارگر
عیار شرع نہیں کار نادر و چنگیز

نہ شہسوار نہ منزل سے آشنا ہے تو
عبث ہیں تیرے لیے تازیانہ و مہمیز

تمام قوت خیبر شکن ہے چنگیزی
نہ ہو ہلاکت مرحب جو مصلحت آمیز

مزاج چاہیئے تیرا کہ خانقاہی ہو
جو دل مقام الٰہی بدن سپاہی ہو!

تجھے قرار نہیں ابھی کسی پہلو
خود اپنے دل پہ ابھی تجھے نہیں قابو

تری نگاہ کا دامن ابھی ہے آلودہ
بھٹک رہی ہے ابھی تک تری نظر ہر سو

بھری ہیں سر میں ہوائیں ہوا پرستی کی
شراب عشق سے خالی رہے نہ کیوں یہ کدو

نظام ملت بیضا ابھی درست نہیں
کہ ہے زباں پہ ابھی تک فسانۂ من و تو

عدو نے مل کے گلے خوب خوب کاٹے ہیں
زبان تیغ سے اب تک ٹپک رہا ہے لہو

اثر کہاں سے ہو پیدا تری خطابت میں
کہ آرہی ہے ترے نطق سے نفاق کی بو

ذرا ٹٹول تو پہلو میں قلب مومن کو
کہے تو اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

عمل بہت ہے مگر کیوں کوئی نتیجہ نہیں
عبث ہے سوزن بے رشتہ سے اُمید رفو

اثر کہاں سے ہو اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی کا
ابھی تو آب نجس سے کیا ہے تُو نے وضو

بغیر پیروی حق اُبھر نہیں سکتا
بدن میں روح یقیں ہو تو مر نہیں سکتا۔

نظر اُٹھا تو سہی او اسیرِ نعمت و جاہ
فقیرِ مست کے پیروں تلے ہے تاج و کلاہ

"گدائے میکدہ ام لیک وقتِ مستی بیں"
فرازِ چرخ کنم حکم بر ستارہ و ماہ

نہ خانقاہ وہ میری نہ مدرسہ کہ جہاں
"نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ"

یہ وہ دیار ہے جس کی فضا میں بستی ہے
وہ زندہ قوم کہ جس کے لیے ہے موت گناہ

سنو مہمات کے بندو کہ معتبر ہے فقط
حیات اُن کی جو مرتے ہیں فی سبیل اللہ

تُجَاهِدُوْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ
یہی ہے عشق یہی معرفت یہی ہے نگاہ

یہ معرفت ہے نہ اسٹیج پر نہ کالج میں
مرے بیاں پہ زمانہ کی چپقلش ہے گواہ

وہ خانقاہ ہے میری کہ جس کی راتوں میں
بلند غلغلہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

وہ مدرسہ ہے مرا جس کی درسگاہوں میں
معلّم و متعلّم ہیں سب "ولی اللہ"

مرا مزاج لڑکپن سے خانقاہی ہے
مرا ضمیر سپاہی دماغ شاہی ہے

نہ کج کلاہ ہے صوفی نہ صاحبِ اکلیل
گلیم و خرقہ نہ تن پر نہ دوش پر زنبیل

غنی ہوں صورتِ عثمانؓ فقیر مثلِ علیؓ
نہیں متاع کو میری غمِ کثیر و قلیل

مری نظر میں یمِ قلزم و زمیں سویز؟
وہ رشکِ دشت و بیاباں یہ رشکِ دجلہ و نیل

تمام سادہ و رنگیں ہے زندگی میری
نہ ہے طریقۂ عبدالعزیزؒ و اسماعیلؒ

کہیں بلند تو ہو سید احمدی پرچم
کہ قافلہ ہے مرا گوش بر صدائے رحیل

ادب سے "یَا اَبَتِ افْعَلْ" کہے گلو میرا
کہیں سنائے تو "مَاذَا تَرٰی" زبانِ خلیل

اٹھے جو مدرسہ و خانقاہ کا لشکر
بہم ہو قوتِ جبریلؑ و صورِ اسرافیل

بہت قریب ہے نصرت اگر ہو عزمِ غزا
کہ فتحِ بدر فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ کی دلیل

ہمیشہ تیغ پہ کچھ منحصر نہیں ہے جہاد
دلوں میں ہو تو سہی پختہ جذبۂ تعمیل

یہی ہے مختصراً حکمتِ ولی اللہ
جمے تو مدرسہ و خانقہ اُٹھے تو سپاہ

جناب شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب و روز

افغان عبوری حکومت کے وزیر اعظم جناب سیاف صاحب کی دارالعلوم تشریف آوری

(۹ جنوری) افغان عبوری حکومت کے وزیر اعظم جناب عبدرب رسول السیاف صاحب افغان مجاہدین کے بعض قائدین اور عرب علماء کے ایک وفد کے ہمراہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ، طلبا اور معززین علاقہ نے اُن کا شاندار استقبال کیا۔ جہادِ افغانستان زندہ باد اور دارالعلوم حقانیہ زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے دارالعلوم کے در و دیوار گونج اٹھے معزز مہمان آتے ہی دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کے ہمراہ دارالعلوم کے شعبہ حقانیہ ہائی سکول تشریف لے گئے جہاں سکول کے بچوں نے افغان راہنما جناب سیاف صاحب کو سپاسنامہ پیش کیا ـــــ مختصر سی تقریب میں موصوف نے حقانیہ ہائی سکول میں تعلیم، تنظیم، معیار اور مستقبل کے متعلق اچھے تاثرات کے ساتھ دعائیہ کلمات سے بچوں کی حوصلہ افزائی فرمائی ـــ اس کے بعد دارالعلوم کے مختلف شعبہ جات لائبریری، ماہنامہ الحق، مؤتمر المصنفین وغیرہ کا معائنہ فرمایا ـــ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کے مزار پر حاضری دیکر فاتحہ پڑھی اور دارالحفظ والتجوید میں تشریف لائے تو یہاں بھی دارالحفظ کی تمام کلاسوں کے طلبہ کا مختصر اجتماع ہوا، بعض طلبہ نے معزز مہمان کو قرآن عزیز سنایا۔ جناب سیاف نے یہاں بھی حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی خواہش پر اپنی مختصر تقریر میں طلبہ کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی فرمائی اور دعائیہ کلمات سے نوازا ـــ تقریباً گیارہ بجے آپ دارالعلوم کی جامع مسجد میں تشریف لائے جہاں دارالعلوم کے اساتذہ، طلبہ اور معززین علاقہ پہلے سے منتظر تھے۔ تلاوتِ کلام پاک کے بعد حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے اضیاف کی دارالعلوم تشریف آوری پر ان کا شکریہ ادا کیا اور مہمانوں کا تعارف کرایا اور جہادِ افغانستان، موجودہ حالات میں اس کی مزید اہمیت، حکومتی پالیسی، مجاہدین کا کردار، دارالعلوم حقانیہ کا جہادِ افغانستان سے تعلق، پس منظر، فضلاء دارالعلوم کے کارنامے، عالم اسلام کی تازہ ترین صورتحال، کویت پر عراقی جارحیت، امریکی افواج کی خلیج میں مداخلت اور عالم اسلام کی ذمہ داریاں، غرض کئی اہم پہلوؤں پر مفصل خطاب فرمایا ـــ افغان عبوری حکومت کے وزیر اعظم جناب سیاف صاحب نے اپنے خطاب میں دارالعلوم حقانیہ کو جہاد کا ٹریننگ سنٹر قرار دیا، فضیلتِ علم، طلبہ کا مقام، علم کے عملی مراحل، جہاد کی اہمیت، جہادِ افغانستان کے عالمی اثرات اور دارالعلوم حقانیہ سے مجاہدین کے ارتباط پر ایک گھنٹہ پُرمغز خطاب فرمایا، جسے آئندہ شمارے میں شریکِ اشاعت کر دیا جائے گا۔ انشاءاللہ العزیز

تقریب میں دارالعلوم کے اکابر و مشائخ، افغان کمانڈروں اور مجاہدین کے علاوہ شیخ التفسیر مولانا حمداللہ جان صاحب ڈاگئی، اٹک سے مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی صاحب نے شرکت فرمائی۔

☆☆

Stockist

Yusaf Sons

Babu Bazar, Rawalpindi Saddar Phone: 66754-66933-66833

UNITED FOAM INDUSTRIES LTD

LAHORE—PAKISTAN
Tel: 431341, 431551

مدیر ——— بنام ——— قارئین

افکار و تاثرات

- ڈاکٹر نجیب کیلئے یاسر عرفات کا تحفہ / محمد طیب سرحدی
- عورت اور رکنیت اسمبلی / عبدالرشید ارشد / نثار فاطمہ زہراء
- وزیر اعظم کے نام کھلا خط / ملک عبدالصمد

ڈاکٹر نجیب کے لیے یاسر عرفات کا تحفہ یا لاکھوں شہداء کے خون سے استہزاء

حال ہی کی تازہ خبر ہے جو عالمی پریس میں منظر عام پر آچکی ہے کہ تنظیم آزادئ فلسطین کے سربراہ جناب یاسر عرفات نے کابل انتظامیہ کے سربراہ ڈاکٹر نجیب اللہ کو اپنے خصوصی نمائندے ابوخالد کے ذریعے ایک تلوار کا تحفہ بھیجا ہے جس پر قرآنِ حکیم کی سورۃ اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح.... الخ کندہ ہے۔

تلوار کے تحفے کے ساتھ یاسر عرفات نے ایک خصوصی پیغام بھی روانہ کیا ہے جس میں یہ امید ظاہر کی گئی ہے کہ "آخری فتح" اسی کی ہوگی ـــ ڈاکٹر نجیب اللہ نے اس تحفے اور پیغام پر یاسر عرفات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے "حق اور سچائی کی حمایت" قرار دیا ہے۔

مجھے یہ خبر پڑھ کر بے حد دکھ ہوا کہ یاسر عرفات آزادئ فلسطین کی تحریک اور اسرائیل کے خلاف جہاد کے اعلان کے باوصف دنیا کی بدترین ظالم اور درندہ صفت طاقت روس کے حامی اور اس کے اتحادیوں کے سرپرست ہیں ـــ افغان مجاہدین کے خالصتاً اسلامی اور انقلابی جہاد نے دنیا پر احیاء اسلام اور حقیقتِ جہاد کو روشن کر دیا ہے۔ افغانستان میں جہاد کی قیادت دہریوں اور لادین قوتوں کے ہاتھ میں نہیں، علماء اور خالص دینی اور مذہبی قیادت کے ہاتھ میں ہے، پوری اسلامی دنیا کی توجہ اس پر مرکوز ہے۔

یاسر عرفات کو ایک مسلمان اور پھر بزعم خود ایک مجاہد ہونے کے پیشِ نظر افغان مجاہدین کی بھرپور اخلاقی امداد کرنی چاہیئے تھی، مگر بدقسمتی سے وہ الٹا لاکھوں مسلمانوں کے قاتل روسی کٹھ پتلی کو تلوار پیش کرتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ لاکھوں افغان مجاہدین کے خونِ شہادت کے ساتھ استہزاء ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرمائے گا۔ افغان مجاہدین اور یاسر عرفات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مجاہدین افغانستان میں ۹۰ فیصد علاقے پر قابض ہیں اور ان کی خالص شرعی حکومت قائم ہے جبکہ یاسر عرفات کی ایک انچ زمین پر بھی حکومت نہیں ـــ ماہنامہ الحق نے گذشتہ سال یاسر عرفات کے دورۂ پاکستان کے موقع پر جو خصوصی تجزیہ پیش کیا تھا وہ واقعتہً برحق تھا اور

اب تلوار کا تحفہ اس سلسلہ کا مزید عملی مظہر اور آپ کے دیئے ہوئے عندیہ کی عملی تعبیریں ہیں۔ خدا تعالیٰ سب کو ہدایت دے۔ (آمین) ——— (محمد طیب سرحدی)

عورت اور رکنیتِ قومی اسمبلی

○ خواتین کی مخصوص نشستوں کی بحالی کے خلاف آپ کا بیان پڑھ کر از حد مسرت ہوئی۔ اس مسئلہ کی اہمیت و نزاکت کے ضمن میں آپ کے سامنے بات کرنا تو سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔ لیکن پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ اسلام نے عورتوں کو جو مقام دیا ہے وہ کسی اور مذہب نے نہیں دیا، لیکن اسلام اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ عورت کا بنیادی فریضہ چادر و چار دیواری کا تحفظ ہے۔ عورت گھریلو زندگی کو خوشگوار بنانے اور بچوں کی صحیح تربیت و پرورش کے لیے ہوتی ہے، لیکن چند مغرب زدہ عورتوں نے بے حیائی و فحاشی کو فروغ دینے کے لیے سیاسی اور اشتہاری زندگی میں قدم رکھ کر شہرت حاصل کرنے کی کوشش کی۔

کاش! اگر سابقہ کسی دورِ حکومت میں عورت کی سربراہی اور نمائندگی کے متعلق کوئی حتمی قانون بن جاتا، مگر اسلام کا نام لینے والے صرف دعوے ہی کرتے رہے۔

اب جبکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نسوانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آئی جے آئی کو ایک مضبوط اور طاقتور حکومت عطا کی ہے، اس صورت میں آپ کی اور دیگر علمائے کرام کی ذمہ داری مزید بڑھ گئی ہے کہ آپ ملکی آئین کو مکمل طور پر اسلامی قالب میں ڈھالنے کی جدوجہد کو تیز کر دیں۔

میری آپ سے گذارش ہے کہ عورت کی سربراہی، خواتین کی مخصوص نشستوں کی بحالی کے ساتھ ساتھ عورت کی بنیادی رکنیتِ قومی اسمبلی کے خلاف بھی آئین بنایا جانا چاہیئے جس کی رو سے کوئی بھی عورت اسمبلی کا الیکشن نہ لڑ سکے۔

اس کے علاوہ معاشرہ میں بڑھتی ہوئی بے حیائی، فحش فلموں کی بھرمار اور ٹی وی پر حیا سوز فلموں کے خلاف بھی آپ کی کوششوں اور جدوجہد کے ہم متمنی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو نفاذ شریعت کے مسئلہ پر بھرپور جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یہ ایک بہت بڑی بھلائی کی بات ہوگی۔ حدیث شریف من سن سنة حسنة فله مثل اجر فاعله کے مصداق آپ کے لیے یہ صدقۂ جاریہ کی صورت ہوگی۔ والسلام (عبدالرشید راشد، ساہیوال)

○ خواتین کی سیٹوں کے بارہ میں آپ کا بیان پڑھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے کسی کی پرواہ کیے بغیر کلمۂ حق کہا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خواتین نے اسمبلیوں میں جا کر سوائے اسلام کی مخالفت کے اور کچھ نہیں کیا۔ جونیجو کو ان خواتین نے شریعت بل پاس کرنے سے روکے رکھا۔ مجھے تو بغیر عورتوں کے اسمبلی کی تصویر دیکھ کر

بہت اچھا لگا، جو ایک عورت اسمبلی میں بیٹھی ہے وہ بھی ان سب پر بھاری ہے۔ آپ علماء میں تحریک چلائیں کہ سب علماء مل کر جدوجہد کریں۔ ہمیں اسمبلی میں عورتوں کی ضرورت نہیں۔ جب تک ذرائع ابلاغ میں ایسے بیانات نہیں آئیں گے فضا نہیں بنے گی۔ اگر پھر یہ مغرب زدہ خواتین اسمبلیوں میں گھس گئیں تو ہم سب کے لیے باعثِ عذاب ہوں گی۔ (نثار فاطمہ زہرا، لاہور)

وزیراعظم کے نام کھلا خط

محترم جناب میاں نواز شریف صاحب وزیراعظم پاکستان ـــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا آپ اس ملک کے ۷۵ فیصد اکثریت والے طبقہ کو اپنی توجہ کے قابل سمجھیں گے تو آپ سے عرض ہے کہ یہ اس طبقے کی بات ہے جو مڈل کلاس کی جوان بیٹیاں اور انکے پریشان حال والدین مہنگائی کی لعنت کیوجہ سے اسقدر پریشان ہیں کہ نہ تو وہ ان کو ان کی مرضی کی تعلیم، روٹی کپڑا دے سکتے ہیں اور نہ ہی جہیز کی لعنت کیوجہ سے وقت پر بیاہ سکتے ہیں اور واسطہ اُن کا ۲۵ فیصد گلیمر کے شکار اُس طبقے سے ہے جو کینسر کی طرح دن رات اُن کو کھا رہا ہے اور وہ ۲۵ فیصدی لڑکیاں ہیں۔

(۱) راشی آفیسروں، سمگلروں اور نو دولتیوں کی وہ لڑکیاں جو بیوٹی پارلروں سے بن سنور کر فیشن سے آراستہ ہو کر

(۲) بدقسمتی سے کھلے عام بازارِ حسن سے تعلق رکھنے والی اور چھپتے چھپاتے عصمت فروشی کا دھندا کرنے والی یہ بھی بیوٹی پارلروں سے بن سنور کر اعلیٰ لباس زیب تن کر کے شاموں کو بڑے بڑے شاپنگ سنٹروں پر دندناتی پھرتی ہیں۔

(۳) پاکستان کے صحافتی میڈیا اخبارات میں بیرونی صفحات پر ٹیڑھے میڑھے پوزوں سے "لباس فیشن" کے نام پر اُن کی نمائش کی جاتی ہے۔

(۴) پاکستان کے سب سے بڑے میڈیا ٹی وی (TV) پر یہی گلیمر زدہ لڑکیاں بن سنور کر گائیکی کے نام پر قوم کا سامنا کرتی ہیں۔

اور اب تو ماشاءاللہ خیر سے چند شرفاء کی "صاحبزادیاں" بھی یہ شوق فرمانے لگ گئی ہیں۔

یہ سب خرافات دیکھ کر ۷۵ فیصد غریب اور شرفاء کی بھولی بھالی بیٹیاں گھروں میں بیٹھی یہ سب کچھ دیکھ کر سوائے اذیت اور ڈپریشن کے کچھ حاصل نہیں کر پاتیں اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ الٰہی یہ کونسی دنیا کی مخلوق ہیں، شرم و حیا اور شرافت کا جنازہ کیوں نکلا جا رہا ہے اور کیوں نکالا جا رہا ہے؟

محترم میاں صاحب! خدا کیلئے معاشرے کی اس ناہمواری پر فوراً غور فرمائیں اور ٹی وی پر مفکروں، مفسروں، علماء اور دانشوروں کو دعوت دیں کہ وہ قوم کی راہنمائی کرتے ہوئے ان کو اسلامی راہ دکھائیں اور انقلابی احکامات صادر کر کے یہ اصلاحات نافذ کریں۔

(۱) قوم کی تمام خواتین کیلئے شرعی پردہ کا آرڈیننس نافذ کریں تاکہ مسلم معاشرے کی کوئی یکسانیت نظر آنے لگ جائے۔

(۲) ٹی وی پر گانے بجانے کے نام پر بنی سنوری لڑکیوں کا تھرکنا بند کرائیں۔

(۳) اخبارات کو پابند کریں کہ وہ قوم کی ماؤں بیٹیوں کی بیرونی صفحات پر رنگین نمائش کو بند کر دیں۔

(۴) انقلابی طور پر ٹی وی پر ایک مشن جاری کرائیں کہ یہ شادی کے موقع پر بارات کے نام کے ڈاکے بند ہو جائیں جو کہ جلوس کی شکل میں لڑکی کے گھر جاتے ہیں اور جہیز اور لڑکی کو لیکر فاتحانہ انداز میں آدھی آدھی رات تک قوم کو آتشبازی اور دوسری خرافات سے پریشان کرتے ہیں۔

خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین ـــــــــــ (ملک عبدالصمد لاہور)

محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ

بندرگاہ کراچی

جہازرانوں کی جنّت
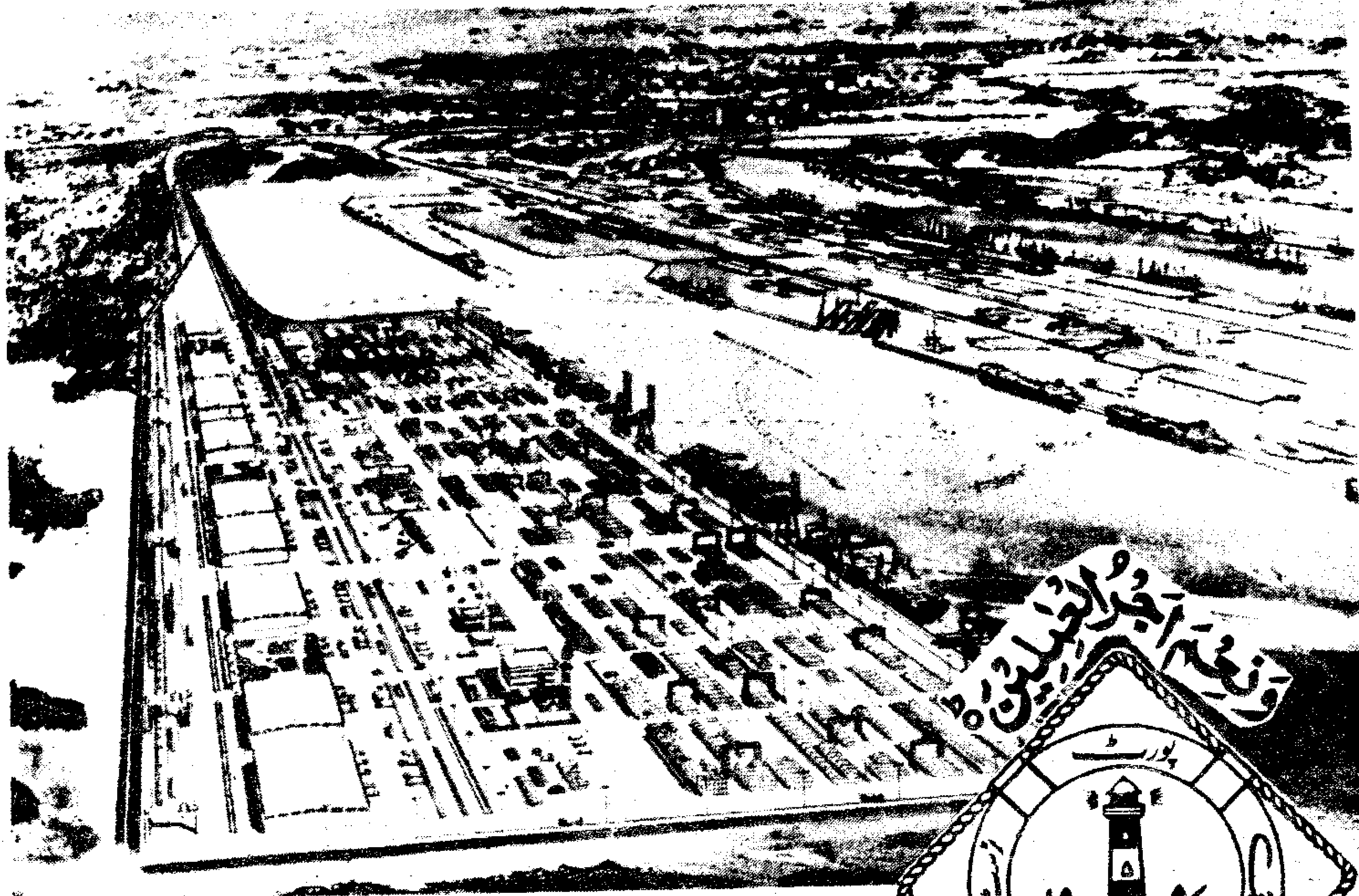
بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لئے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لئے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجینئرنگ میں کمالِ فن
- جدید ٹیکنالوجی
- مستعد خدمات
- باکفایت اخراجات
- مسلسل محنت

۲۱ ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں

KPT - 4 / 88. PID - Islamabad

مولانا قاضی عبدالحلیم حقانی / مولانا عبدالقیوم حقانی

تعارف وتبصرۂ کتب

حیات صدر المدرسین
مرتب: مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی ـــ ضخامت: ۵۱۲ صفحے ـــ ہدیہ -/۱۰۰ روپے
ناشر: مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

سوانح وتاریخ ایک دلچسپ موضوع ہے، اور اسلافِ امت کے حالات تو اسلامی تاریخ کا اہم ترین حصہ ہے۔ زیر نظر کتاب "حیات صدر المدرسین"، حضرت شیخ مولانا عبدالحلیم صاحبؒ آف زروبی (جو ۲۶ سال تک ازہرِ پاکستان دارالعلوم حقانیہ کی مسندِ صدارت پر جلوہ افروز رہے ہیں) کی حیاتِ مستعار کا تفصیلی تعارف ہے، جسے آپ کے لائق وفائق فرزند مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی نے ترتیب دیا ہے ـــ حضرت مرحوم کا شمار اگر ایک طرف خسروانِ علم وحکمت کے صفِ اول کے علماء میں ہوتا تھا تو دوسری طرف آپ کی ذات عملِ صالح کا بہترین نمونہ، تقویٰ وتقدس کی ایک نادرۂ روزگار مثال، اخلاص، مجاہدہ، ریاضت وفنائیت، تصلب فی الدین، عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حُبِّ صحابہؓ اور ان جیسے ہزاروں دینی عنوانات کا پیکرِ مجسم اور جیتی جاگتی تصویر تھی۔

کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے اور ۵۰۰ سے زیادہ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں جہاں حضرت مرحوم کے کردار وشخصیت پر اچھوتے انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے وہاں اس میں حضرتؒ کے علمی افادات کا ایک وافر ذخیرہ بھی مل جاتا ہے۔ کتاب میں حضرت مرحوم کے مولد ومدفن، آپ کے مسکن زروبی کے تاریخی پس منظر، خاندانی علماء ومشائخ کے تذکروں کے علاوہ حضرت مرحوم کے اساتذۂ کرام کے تفصیلی ذکر نے کتاب کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ کتاب کا منظوم اور تاثراتی حصہ سونے پر سہاگہ ہے ـــ کتاب جس عرق ریزی، کاوش ومحنت، حسنِ ترتیب سلیقہ اور جامع انداز سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی ہے اُس سے حضرت مرحوم کے لائق فرزند مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی مدرس حقانیہ کا حُسنِ ذوق جھلکتا ہے۔ ہماری رائے میں کتاب کا مطالعہ علم کے شوق اور عمل کے انگیخت کا مؤثر ذریعہ ہے۔ دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء اور حضرت شیخؒ کے ہر شاگرد کے ہاتھ میں اس کتاب کا ہونا ازبس ضروری ہے۔ (قاضی عبدالحلیم حقانی)

ایضاح الطحاوی (شرح اردو)
از: مولانا شبیر احمد قاسمی مدظلہ ـــ ضخامت ۶۳۲ صفحے ـــ قیمت -/۱۰۵ روپے
ناشر: مکتبۃ الشریفیہ، وسیم مینشن برنس روڈ کراچی۔ پوسٹ کوڈ ۷۴۲۰۰

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاویؒ تیسری صدی ہجری کے ممتاز فقہاء اور مایۂ ناز کبار محدثین میں سے ہیں۔ روایت ودرایت

تفقہ و اجتہاد، مذاہب ائمہ خصوصاً مذہب ابوحنیفہؒ کی معرفت پر اپنے زمانے کے عدیم النظیر امام تھے موصوف کی ۳۰ مؤلفات میں معانی الآثار اور مشکل الآثار کو بہت زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ معانی الآثار (طحاوی شریف) موصوف کی پہلی تصنیف ہے جسے وجوہِ استنباط، تمیز ناسخ و منسوخ، رفع معارضات اور کئی اہم خصوصیات کے پیش نظر دار قطنی، بیہقی، دارمی بلکہ سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ پر بھی فوقیت اور ترجیح حاصل ہے۔ انہی خصوصیات کے پیش نظر اسے دورۂ حدیث اور وفاق المدارس کے نصابِ تعلیم میں اہم مقام حاصل ہے۔ معانی الآثار کی متعدد شروحات بالخصوص مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی امانی الاحبار کے ہوتے ہوئے بھی افادۂ عامہ کی ضرورت کے پیش نظر مختصر مگر جامع اُردو شرح کی ضرورت تھی، ایضاح الطحاوی اسی ضرورت کی تکمیل ہے جسے حضرت مولانا شبیر احمد قاسمی مدظلہ نے پورا کر دیا ہے جس میں التزام کے ساتھ ہر باب کے شروع میں اس کے مسائل کی تعداد و مباحث کی توضیح حل عبارت بالخصوص امام طحاویؒ کی مشکل عبارتوں اور "نظر طحاوی" کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے۔ "فذھب قوم" ــــ اور "خالفھم فی ذلک اٰخرون" کے مصداق کی مستند حوالوں کے ساتھ تعیین کی گئی ہے۔ ائمہ متبوعین و مجتہدین، فقہاء اور محدثین کے مذاہب کی تفصیل اور تعارضِ روایات کو دفع کرنے کی کامیاب سعی کی گئی ہے۔

کتاب ایک انمول تحفہ اور علمی سوغات ہے جو اساتذۂ حدیث، طلبۂ علوم نبوت، جمہور احناف اور اہل علم کے لیے یکساں طور مفید اور ہر لحاظ سے نافع ہے ــــ ہمارے نوجوان اور باہمت رفیق جناب قاری تنویر احمد صاحب تدریسی حلقوں اور اہل علم کے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اس کی عمدہ طباعت اور شاندار اشاعت میں بھرپور دلچسپی سے کر واقعتہً ایک عظیم خدمت انجام دی ہے ۔ (عبدالقیوم حقانی)

جہادِ افغانستان اور فتح مبین | تالیف: مولانا حافظ مشتاق احمد عباسی ــــ صفحات ۲۴۸ ــــ قیمت ۳۳/- روپے
ملنے کا پتہ:۔ ادارہ صدیقیہ نزد حسین ڈی سلوا گارڈن ویسٹ نشتر روڈ کراچی ۳

یہ کتاب اسلام کی احیاء کی عظیم تحریک جہادِ افغانستان سے متعلق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ روس جس کو غرور تھا کہ وہ سپر پاور ہے، اللہ عظیم و برتر نے اُس کے اس دعوے کو خاک میں ملا دیا۔ روس کا دعویٰ تھا کہ وہ چند گھنٹوں میں افغانستان کو فتح کرے گا مگر دُنیا نے دیکھا کہ دس سال مار کھانے کے بعد بالآخر سرزمین افغانستان سے ذلیل و خوار ہو کر اسے واپس جانا پڑا۔ یہ جہادِ افغانستان ہی کی برکت ہے کہ آج دنیا میں آزادی کی لہر اُٹھ رہی ہے اور کمزور قوتوں میں بڑی طاقتوں کے مقابلے کی ہمت پیدا ہو رہی ہے۔ جہادِ افغانستان نے عملاً مسلمانوں کے لیے یہ سمت متعین کر دی ہے کہ ان کی شان و شوکت اور فلاح و کامرانی جہاد میں مضمر ہے۔

پیش نظر کتاب جہادِ افغانستان پر تحقیقی اور مشاہداتی دستاویز ہے جس کے مطالعہ سے جہاد کی عظمت اور شوق پیدا ہوتا ہے۔ مجاہدین کی نصرت کے حیران کن واقعات، جہاد کی عظمت و اہمیت، جہاد کی شرعی حیثیت،

روسی وکمیونسٹ فوج کی واضح اور کھلی شکست جیسے اہم عنوانات پر سیر حاصل بحث ہے ۔ چونکہ مؤلف خود بھی جہاد میں شریک رہے ہیں اس لیے یہ ایک مشاہداتی رپورٹ ہے جو ہر لحاظ سے نافع ہے ۔ (عبدالقیوم حقانی)

فضائلِ اعمالِ صالحہ | تالیف : مولانا محمد خالد مہاجر مدنی ــــ صفحات ۳۹۸ ــــ قیمت -/۶۶ روپے
ناشر : ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

حافظ ضیاء الدین مقدسی شام کے عظیم محدث اور بلند پایہ عالم دین اور صاحب دل بزرگ تھے ، مسلکاً حنبلی تھے "فضائل الاعمال" موصوف کی مشہور اور محبوب تصنیف ہے ۔ فضائل اعمال پر متعدد مجموعہ کتب میں موصوف کی تالیف کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فقہی ترتیب پر جمع کیا گیا ہے ۔

کتاب کا اُردو ترجمہ مولانا محمد خالد مہاجر مدنی نے کیا جسے حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری کی نگرانی اور راہنمائی حاصل رہی ۔ کتاب شب و روز ساتھ رکھنے اور عملی زندگی میں بھرپور استفادہ کی چیز ہے ۔ امید ہے کہ علمی و دینی بالخصوص تبلیغی اور درسی حلقے اس سے بھرپور استفادہ کریں گے ۔ (عبدالقیوم حقانی)

سائنس کی تعلیم | (قرآن و حدیث کی روشنی میں) صفحات ۲۹۲ ۔ مؤلف پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ قاضی
قیمت ۳۹ روپے ۔ پتہ ۔ مکتبہ تطہیر افکار ۔ ڈھکی منور شاہ ۔ قصہ خوانی بازار پشاور

عصر حاضر کے سائنسی کارناموں میں غیر مسلموں کی محیر العقول سبقت اور مسلمانوں کا بعض اختیاری یا غیر اختیاری اسباب و عوامل سے دوچار ہو کر سائنس کے میدان میں تخلف کی وجہ سے ، یورپ سائنس کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھنے کی خوش فہمی میں مبتلا ہے ۔ حالاں کہ تاریخ اس پہ گواہ ہے کہ سائنسی علوم کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی آج مکہ مکرمہ ، مدینہ منورہ ، بخارا ، سمرقند ، کوفہ ، بصرہ ، شام ، مصر اور اندلس کا ذرہ ذرہ مسلمانوں کے سائنسی کارناموں کا عینی گواہ ہے ۔ اگر یورپ اندلس کے علمی ذخیرہ پہ غاصبانہ قبضہ نہ جماتا تو آج اس کو یہ مقام ہرگز نہ ملتا ۔

پیش نظر کتاب میں ڈاکٹر موصوف نے سائنسی علوم کا ثبوت قرآن و حدیث سے عام فہم انداز میں پیش کیا ہے کتاب پڑھتے وقت یہ احساس ہوتا ہے کہ قرآن نے مسلمانوں کو اس وقت سائنسی علوم کا پیغام دیا تھا جس وقت یورپ اور اس کے ہم خیال جوانوں کی زندگی بسر کر رہے تھے ۔

موصوف دینی علوم سے بہرہ ور ہونے کے علاوہ عصری علوم میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں ۔ اس لئے انداز بیان میں علمی اور تحقیقی ذوق نمایاں ہے ۔ جدید طریق تحقیق کے اصولوں کی رعایت کی وجہ سے کسی منتقل مسئلہ کے سمجھنے یا اصل ماخذ کی طرف مراجعہ کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی ۔

موضوع کی اہمیت کی وجہ سے کتاب معاشرہ کی ایسی ضرورت ہے جس کے مطالعہ سے شاید مسلمانوں کی قسمت بدل جائے اور مسلمان ایک دفعہ پھر اپنی کھوئی ہوئی قوت کو دوبارہ بحال کر سکیں ۔ (غلام الرحمٰن)